NC

روحِ حیات

(مجموعہ مکاتیب معہ اضافۂ جدید)

از

جناب اختر قریشی صاحب

ناشر

ادارۂ نشریاتِ اردو

حیدرآباد دکن

مطبوعۂ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

بار سوم (۱۰۰۰)

قیمت ۱۲

"روحِ حیات" اوروں کی نظر میں

جناب حبیب اللہ صاحب آوج ایڈیٹر روزنامۂ "میزان" حیدرآباد

برادرم، السلام علیکم - آپکی گراں قدر تصنیف "روحِ حیات" کا تحفہ بلدہ میں ملا اور کانپور سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تاخیر کی معذرت چاہتا ہوں۔

اس مجموعۂ خطوط کو پڑھنے میں مجھے شاید اس لئے بھی زیادہ لطف آیا کہ بعض بعض مقامات پر مجھے دھوکا ہو رہا تھا کہ میری زندگی کی جھلکیاں اسمیں کہاں سے آگئیں؟

تصنیف کا انداز بالکل اچھوتا، بیان دلکش، زبان نہایت پاکیزہ، اشعار برمحل اور رنگ بالکل نیاز و غالب کا سا ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

ایک خط میں آپ نے صنفِ نازک کی تائید کی ہے، اور ایک میں صنفِ قوی پر انکے ستم جس نفیس پیرایہ میں بیان کئے ہیں، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ مذہب کے سوال کو، جسکے لئے ہم نوجوان بدنام اور نام نہاد زاہدِ خشک نیکنام ہیں، آپنے جس خوبی سے سلجھایا ہے اسکے لئے بے ساختہ داد نکلتی ہے۔ اسی طرح "حج" کیلئے بھی آپنے مولانا کی جو غلط فہمی دُور کی ہے، وہ بھی قابلِ تعریف ہے۔ مختصر یہ کہ خطوط ہی کے ذریعہ آپ نے زندگی کے بہت سے اہم مسائل کو سلجھایا ہے۔ غالب اور نیاز کے خطوط میں شخصی و ذاتی رنگ زیادہ جھلکتا ہے مگر آپکے یہاں یہ بات زیادہ نہیں ہے۔

"روحِ حیات" کا مطالعہ کرنیوالا مصنف سے قدرتی طور پر ہمدردی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کیونکہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ کسی حرماں نصیب کا قلم ہے اور ٹوٹے ہوئے دل کی آواز۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ یہ "دلگیر" بن گئی ہے۔ میں پھر ایک دفعہ اس تصنیف پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

آپکا صادق آوج (محمد حبیب اللہ)

قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی رائے

...... ایک باغی انسان کی فکری بغاوت نے جو "روحِ حیات" کے نام سے موسوم تھی، میری روح کو گرما دیا۔ کاش ہر مسلم نوجوان ایسا ہی باغی بن جائے جو زندگی اور دنیا کو اُسکے اصلی رنگ و روپ میں دیکھے اور دکھائے۔ مبارکباد دیتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ آپکی حساس طبیعت اس ناچیز ہدیہ کی شاید متحمل نہ ہو سکے، اسلئے صرف اظہار تشکر پر اکتفا کر رہا ہوں۔ آزاد سوچنے سمجھنے اور کھری سُنانے کی خدا اور توفیق دے۔ آمین۔

آپ کا محمد بہادر خاں غفرلہٗ

"روحِ حیات کے ذریعہ سماج و سوسائٹی کے مردہ جسم میں جو تازہ روح پھونکنے کی کوشش کی گئی ہے وہ لائقِ صد تحسین و آفرین ہے۔ اصلاح کو جس لطیف و رنگین پیرایہ میں بیان کیا گیا وہ اپنی طرز کا بہترین نمونہ ہے۔"

زبیدہ تبسم۔ مولوی فاضل (پنجاب)

"اصلاح جیسی کڑوی کسیلی دوا جس کا ایک گھونٹ بھی حلق سے اُترنا دوبھر تھا "روحِ حیات" کے ساغر میں ایسی شیریں ہو گئی کہ لوگ بغیر منھ بنائے شربت کے گھونٹوں بے تکلف نوش کرنے لگے۔

ساجدہ نرجس (مولوی فاضل (پنجاب)

روحِ حیات نے مشکور کیا دیکھا اور بار دیکھا۔ زبان و ادب کی رعایت کے ساتھ تلخی، تندی، مزاح اور شیرینی کا یہ لطیف آمیزہ بڑا ہی [illegible]

عرضِ معتمد

ہم ماحول اور اُس کے اثرات میں ایسے کھوئے ہوئے ہیں کہ ان سے ہٹ کر علیحدہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ پھر زندگی کی گوناگوں مصروفیات اور جدید تہذیب و تمدن کی دل فریبیوں نے ہم کو ایسے تحیّر میں ڈال دیا ہے کہ ان سے الگ ہو کر ہم کو آزادانہ طور پر فکر کرنے اور سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ لیکن "روحِ حیات" ان افکار کا مجموعہ ہے جو ماحول سے بغاوت کر کے آزادانہ طور پر سوچے گئے ہیں۔ یہ ایسے چند مکاتیب کا مجموعہ ہے جو ایڈیسن کے مضامین کی طرح جدید تمدن پر نہایت ظریفانہ اور مذاحیہ انداز میں طنز ہے۔ غرض یہ اصلاحی اخلاقی مزاحی اور ادبی تحریرات کا ایک مختصر اور دلکش مجموعہ ہے جو ادارۂ نشریاتِ اُردو کی جانب سے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

محمد اسحاق
(بی۔ ایس۔ سی۔ ڈپ ایڈ عثمانیہ)
معتمد ادارۂ نشریاتِ اُردو حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے آنکہ کشایندۂ ہر بند توئی
بیروں ز عبارتِ چہ و چند توئی
ایں دولتِ من بس کہ منم بندۂ تو
ایں عزتِ من بس کہ خداوند توئی

ہدیہ

میں اپنے مکتوبات کا یہ چھوٹا سا مجموعہ یعنی "روحِ حیات" جناب محمود آختر کے نام منسوب کرتا ہوں، کہ جن کی نظر نوازی نے میرے احساسات کو جِلا دیا۔ گلہائے اخلاص کی یہ ناچیز "مالا" جو میں نے اُس گلوئے جمیل کے لئے تیار کی، امید ہے کہ قبول کیا جائے گا۔

لائق نہ بود قطرہ بہ عُماں بُردن
خارُو خس صحرا بہ گلستاں بردن
اما چہ کنم کہ رسم موراں باشد
پائے ملخے پیشِ سلیمانؑ بردن

خرابِ محبت اختر قریشی

دو دو باتیں

"دیباچہ" یا "سرآغاز" کی سنتِ دیرینہ کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنی طرف سے بھی مجھے کچھ لکھنا پڑا۔ اور یہ سطریں وقف ہوں گی صرف چند "اعترافات" کے لئے۔

یہ میرے چند خطوط کا مجموعہ ہے جس کا نام میں نے "روحِ حیات" تجویز کیا ہے۔ میری زندگی کے بالخصوص یہ آٹھ سال بڑے حیات بخش گزرے اور اس دور کو اگر میں روحِ حیات سے موسوم کروں تو بے جا نہ ہوگا۔ محبت کو اگر آگ قرار دیں تو میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح آگ کسی دھات کو جلا کر صاف کر دیتی ہے، ویسے ہی آتشِ عشق نے مجھے جلا کر جلا دیا۔ اسی لئے اس حیات آفریں زیست کو میں روحِ حیات سمجھتا ہوں۔ غالب کا خیال تھا کہ ؎

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

مگر میرا یہ ایقان ہے کہ زندگی میں ایک دفعہ ایک ایسا لمحہ ہر شخص کو نصیب ہوتا ہے، جب محبت کا نور تجلی بن کر آنکھوں کو خیرہ

گرتا چلا جاتا ہے، کوئی محض اس چمک کے خیال ہی سے لرزتا اور آنکھیں بند کر لیتا ہے کوئی روشنی کو صرف دیکھتا ہے اور کوئی اپنی متاعِ زیست کو اس پر نثار کرنے کے لئے پروانہ وار دوڑتا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہے وہ انسان جو محبت کی آگ میں جل کر اپنی روح کو نکھار لے اور کتنی مبارک ہے وہ حیات جس میں ایسی روح کام کرتی ہو، حق یہ ہے کہ محبت ہی زندگی ہے اور محبت ہی حاصلِ زندگی۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ "کسی کے کیرکٹر کا اگر مطالعہ کرنا چاہو تو اسکے خطوط پر نظر رکھو"۔ اور یہ درست بھی ہے خطوط دراصل ذہنی کیفیات اور قلبی تاثرات کے آئینہ دار ہوتے ہیں، ہر خط کسی ایک پوشیدہ برائی یا بھلائی کا حامل ضرور ہوتا ہے، اس مجموعہ میں آپ کو میری کوتاہیاں برائیاں اور کمزوریاں سب کچھ نظر آئیں گی۔ مکاتیب کا کوئی مجموعہ منظرِ عام پر لانا ایسا ہی ہے جیسا کسی "دارالتجربہ" (لیبا بوریٹری) میں کوئی چیز بغرضِ امتحان بھیجنا جہاں اس کے سارے اجزا الگ کیئے جا کر اس کی اچھائی یا برائی کی توثیق کی جاتی ہو۔ تو میرے یہ خطوط بھی میری پوشیدہ کثافتوں، ذہنی کمزوریوں اور دوسری بہت سی برائیوں یا بھلائیوں کو واضح کریں گے۔ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ دوسروں کی آنکھ کے تنکے تو چن لیتی ہے مگر خود اپنی "آنکھ کے شہتیر" پر نظر نہیں کر سکتی ——— لیکن اپنی کمزوریوں کو خود پیش کرنا اور اس "خندہ پیشانی" سے اس کا "اعتراف" بھی کر لینا ——— یا تو

بڑی "جرات" ہوگی یا پھر اس کا شمار بھی کمزوری میں ہوگا۔ اب آپ چاہیں تو میری اس جرأت کو "بلندیٔ اخلاق" پر محمول کیجئے اور داد دیجئے یا اگر آپ کی نظروں میں یہ کمزوری اور ڈھٹائی قرار پائے تو جی بھر کر مذاق اڑائیے۔

چونکہ اپنی کمزوریوں کے اعتراف سے مجھے ایک روحانی طمانیت" حاصل ہو رہی ہے اس لئے "ستایش کی تمنا" اور "صلہ کی پروا" سے بے نیاز ہو کر اس طمانیت ہی کو میں "حاصل" سمجھتا ہوں۔

اختر قریشی

روحِ حیات پر وحید صاحب کے تنقیدی خط کا جواب

آزادِ قیود رسم ہستی ہوں میں ⁂ پابندِ اصولِ حق پرستی ہوں میں
ظاہر میں شکستہ حال و دل ہوں لیکن ⁂ جو رشکِ عروج ہو وہ پستی ہوں میں

وحید بھائی "وعلیکم السلام۔

"روح حیات" ایک ادنیٰ سی چیز تھی اور ایک ہدیۂ ناچیز، اس کا اتنے اچھے الفاظ میں آپ نے ذکر کیا کہ مجھے خفت اٹھانی پڑی آپ کا یہ فرمانا کہ "خیالات بڑی حد تک میرے خیالات ہیں" میری خوشی کا باعث بنا" اب رہا "جرأت اظہار خیال پر قادر ہونا" تو میری یہ "روشنئ طبع" آج سے پہلے متعدد بار میرے حق میں "بلا" ثابت ہوچکی ہے خود آپ کا گرم نامہ اس کا شاہد ہے۔

جی ہاں" مخاطب کرنے کی جسارت اسی لئے ہوئی کہ "اجنبیت" کو ابھی سے دور کرلوں۔ جلد کی خوش وضعی اور دیدہ زیبی نے بے اختیار آپ کو روح حیات کی گہرائیوں میں ڈوب جانے پر مجبور کیا۔۔۔۔۔۔

ہے نا؟ لیکن آپ نے روح کا مطالعہ نہیں کیا" مجھے تو آپ کی یہ تحریر صرف بحرِ حیات کی سطحی غواصی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے" یوں کہئے کہ جلد کی خوش وضعی اور حیات کی رنگا رنگی نے روح کے گہرے مطالعہ کا آپ کو موقعہ ہی نہ دیا۔

یہ ارشاد کہ میں "کسی" ٹریجڈی سے دوچار ہوچکا ہوں" درست ہے حساس طبیعت جو پائی ہے میں نے ——— احسن مارہروی نے

کیا خوب کہا ہے ؎

جہانِ بے ثبات اک مستقل غمخانہ ہے احسن
یہاں آوازِ نغمہ بھی فغاں معلوم ہوتی ہے

جہاں آوازِ نغمہ بھی فغاں معلوم ہوتی ہو، وہاں کسی کا ذکر کیا مجھے تو ہر متنفس اس سے دوچار اور ہر ذی حس، کسی المیہ کی آغوش میں سانس لیتا نظر آتا ہے۔

یہاں ایک پر لطف جملہ آ گیا جو شکوک و شبہات کی دنیا لئے ہوئے ہے اور جو غالباً نامہ گرامی کا محرک بھی ثابت ہوا، یعنے یہ کہ چند سال تک میں "میں" نہ رہا ـــــــ یہ بھی درست ہے اور محض روح کو اجاگر کرنے کے لئے "حیات" کو بیع کرنا پڑا تھا،

بقول علامہ اقبال ؎

یہ مجھ سے سن لے تو رازِ پنہاں، سلامتی خود ہے آفتِ جاں
کہاں سے رہرو میں زندگی ہو کہ راہ جب پُر خطر نہیں ہے

راہرو زندگی کو اپنے راستہ میں کانٹے بچھانے پڑے، پروردۂ طوفاں تھا ساحل کی آغوش میں سکون کا لطف نہ پا کر خود کو امواج کے حوالہ کر دیا، اس طرح خود کو کھو کر خودی کو پایا، حیات کو جلا کر، روح کو جلا لیا، غرض اس اہتمام سے کانٹوں کو روندتا ہوا۔ ایک خیالی چمن آراستہ کرتا گیا اور "موجِ خونِ دل" سے اس کی آبیاری کی ـــــــ یہ رہا ماضی ـــــــ جیسا کہ حیات کے مطالعہ سے آپ پر بھی روشن ہوا

اب رہیں "موجودہ زمانہ کی کیفیات" تو واقعہ یہ ہے کہ یہ خود میری نظر میں بھی نہیں ہیں، بات یہ ہے ؎

عرش تک تو لے گیا تھا ساتھ اپنے حسن کو
پھر نہیں معلوم اب خود عشق کس منزل میں ہے

برادر مکرم! ایک شاعر، ایک اداکار اور ایک ادیب کی روح کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ اس کی "حیات" کو۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؔ مرحوم کے کلام کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ بلا کے میخوار تھے۔ ان کے اکثر اشعار کیف و سرور سے لبریز مے کا ایک چھلکتا ہوا جام ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ میخوار نہ تھے۔ اصلیت کا روپ دکھانے اور کسی افسانے میں جان ڈالنے کے لئے ایک اداکار اگر ظالم یا جابر کا کردار پیش کرنے میں رہزن یا ڈاکو بن جاتا ہے تو اس کی حیات کا مطالعہ کرنے والے ضرور اس کو ملامت کریں گے اور شک و شبہ کی نظر سے دیکھیں گے مگر روح کے غواص اس کے اس روپ کو محض ایک "وقتی چیز" سے زیادہ اہمیت نہ دیں گے۔ یہ واقعہ بھی ہے کہ کوئی اداکار شرابی کے روپ میں جلوہ گر ہو اور اپنے پاؤں میں لغزش یا زبان پر لرزش پیدا نہ کرے تو اصلیت ظاہر نہیں ہوگی۔ تماشائی کو محظوظ کرنے کے لئے خود تماشہ بننا پڑتا ہے اور جب تک یہ نہ ہو لوگ "گہرائیوں میں" نہیں ڈوبتے۔ اس کے قطع نظر ایک کامیاب اور طبع شناس طبیب کی طرح ایک فطرت آگاہ ادیب جب کچھ کھری اور کڑوی سناتا تو اپنی کڑوی باتوں کو

"شکر" میں لپیٹ لیتا ہے۔ روحِ حیات میں ہماری سماجی، مذہبی اور معاشرتی بڑی تلخ حقیقتیں موجود ہیں، جن کو اس "شک آمیز شکر" میں لپیٹ دیا گیا، موجودہ حالت میں محض اس اوپری مٹھاس اور بالائی شیرینی کی وجہ کوئی اسے چکھ بھی لیتا ہے، یہ نہ ہو تو شاید خود آپ اس کو پڑھنا بھی گوارا نہ کرتے۔

اب آئیے اصل موضوع کی طرف۔ تخیلی پیکر

Creation of imagination. روح کو نکھارنے اور خود کو سمجھنے کے لئے ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی ہے، جگر مراد آبادی کہتے ہیں ؎

سیہ کار تھے، باصفا بن گئے ہم
ترے عشق میں کیا سے کیا بن گئے ہم

اگرچہ یہ کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوگا کہ ـــــ دل بدست دگرے دادن و حیران بودن ـــــ لیکن حق یہ ہے کہ حق تک پہنچنے کیلئے یہ امر ضروری ہے۔ خود سے محبت، خودپرستی کے گڑھے میں گراتی ہے جو خداپرستی کی نفی ہے۔ یہ مسئلہ کچھ اس قدر باریک اور اتنا توضیح طلب ہے کہ صرف اس کی وضاحت کرنے بیٹھوں تو آپ اکتا جائیں گے۔ اپنے موضوع تخیلی پیکر کی طرف پلٹتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کے مسدس کے دیباچہ کا ایک خصوصی جزو من وعن درج ذیل کرتا ہوں

یہ دیباچہ خود مولٰنا نے لکھا ہے اور فرماتے ہیں ——

"البتہ شاعری کی بدولت چند روز جھوٹا عاشق بننا پڑا، ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشت وجنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس وفرہاد کو گرد کر دیا۔ کبھی نالہ ونیم باشی سے ربع مسکوں کو ہلا ڈالا۔ کبھی چشم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا —— بارہا تیغ ابرو سے شہید ہوے اور بارہا ٹھوکر سے جی اٹھے۔ گویا زندگی ایک پیراہن تھا کہ جب چاہا اتار دیا اور جب چاہا پہن لیا۔ میدان قیامت میں اکثر گذر ہوا۔ بہشت ودوزخ کی اکثر سیر کی۔ بادہ نوشی پر اتر آئے تو خم کے خم لنڈھائے اور پھر بھی سیر نہ ہوے۔ ایمان سے بیزار رہے، پیر مغاں کے ہاتھ پر بیعت کی، برہمنوں کے چیلے بنے، بت پوجے، زنار باندھا، قشقہ لگایا، زاہدوں پر پھبتیاں کہیں، واعظوں کا مضحکہ اڑایا، دیر وبت خانہ کی تعظیم اور کعبہ ومسجد کی توہین کی —— غرض نامۂ اعمال ایسا سیاہ کیا کہ کہیں کوئی سفیدی باقی نہ چھوڑی ——"

یہ ہیں خضر صورت اور فرشتہ صفت مولٰنا الطاف حسین حالی جن کا آپ ہم، سب ہی احترام کرتے ہیں، ادبیات اردو جن پر ناز کرتی ہے۔ مولٰنا کی "حیاتِ ظاہر" خود ان ہی کے الفاظ میں اس قدر آلودہ تھی اور "حیاتِ باطن" یعنے روح اتنی منزہ ایسی پاک اور اسقدر بے داغ کہ —— دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔

میں پھر عرض کروں گا کہ روح کو نکھارنے اور جذبۂ خودی کو

بیدار رکھنے کے لئے تخیلی پیکر کی تخلیق بے حد ضروری ہے۔ اب چلئے کچھ آگے بڑھیں۔ آپ نے جس "معاملہ" کی طرف اشارہ کیا ہے، یقین مانئے وہ قطعاً میری مرضی کے مطابق اور عین میری خواہش کے موافق طے پایا۔ یہ نتیجہ ہے ماضی کی اس جستجوئے پیہم کا، اور یہی حاصل ہوگا۔ اس خود فراموشی کا جو مستقبل میں شاید خود فروشی پر منتج ہو، یعنے

جس پہ میری بیخودی نے ڈال رکھے تھے حجاب
جستجو نے اب اسے محسوس و عریاں کر دیا

"روحِ حیات" محض ایک شرابی کا روپ ہے اور اصلیت کا رنگ دینے کے لئے کہیں کہیں پاؤں ڈگمگاتے نظر آئے۔ کامیاب مصور وہ نہیں جو صرف خود کو مسرور کرے، کسی مصور کا شاہکار تو وہ قرار پاتا ہے کہ اس کا "تخیل" دوسروں کا تخیل بن کر ظاہر ہو یا کم از کم اس کی رنگ آمیزی کا کوئی نہ کوئی جزو کسی نہ کسی کو پسند آئے۔

میرا خیالی چمن جو "موجِ خونِ دل" سے آراستہ کیا گیا تھا، نذرِ خزاں ہو چکا، اداکار کے روپ نے اپنا کام کیا، اس کی رندی پر کوئی شک کرنے لگا، کسی کو اس کی میخواری پر شبہ ہوا، روحِ حیات کی "شوگر کوٹڈ پلز" SUGAR COATED

کو کسی نے سطحی طور پر چکھا اور کہہ دیا کہ اس کا صفراوی مزاج ہے۔ کسی نے اندرونی کڑواہٹ کا تجزیہ کیا اور بتلایا کہ یہ تپ شکن ہے کوئی ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر کے پچھلے "شور و شر" پر تبصرہ کیا،

تو کوئی گہرائیوں میں ڈوب گیا، کسی نے تنقید کی اور کسی نے تائید۔

یہاں ایک بار پھر مجھے عرض کرنے دیجئے کہ مذکورہ معاملہ میری مرضی کے مطابق طے پایا ہے، شاعر کا تخیلی پیکر، خود شاعر کی زبان سے سنئے ؎

میری ہی نظر کی مستی سے سب شیشہ و ساغر رقصاں تھے
میری ہی نظر کی گرمی سے سب شیشہ و ساغر ٹوٹ گئے۔

اور مصور کا تخیلی پیکر —— نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول —— کا رہین منت ہوتا ہے، مگر ادیب کی تخلیق ایک قطعی او رفیصلہ کن ہوتی ہے "نئی زندگی" جی ہاں! حیات سے روح کو وابستہ کرنے کا میں نے قصد کیا ہے اور ——

ع منزل پہ ٹھیر گیا ہوں اگر —— اتنا ضرور ہوا کہ —— بت خانہ پڑا حرم سے پہلے۔

میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہوں اور آپ کی مخلصانہ تحریر کے پس منظر جو جذبۂ خلوص کارفرما ہے اس سے ناآشنا نہیں ہوں میں فطرتاً قنوطیت کے اثرات سے پاک ہوں، کبھی ناامید نہیں ہوا، حال کی بدحالیوں کے باوجود، مستقبل کو اپنے تصور میں شاندار پایا اور پا رہا ہوں، دعا کیجئے کہ میرا یہ تصورِ ذہنی، عملی ثابت ہو ——

خدا حافظ

برادر مکرم۔ السلام علیکم۔

نامۂ اخلاص موجب منت و مسرت ہوا، جس کو عزیز نے بھی دیکھا اور وہ بے حد محظوظ و مشکور ہوئے۔ غنیمت ہوا جو آپ کے اس آخری جملہ پر ان کی گہری نظر نہ پڑی جب کہ آپ نے انھیں لکھا ہے کہ "خدا ایسی ہزاروں خوشیاں نصیب کرے" اس راشننگ کے زمانے میں ایسی خطرناک دعائیں! حکومت کو فوراً توجہ کرنی چاہیے کہ وہ ایسی دعاؤں پر بھی عمل تحدید عائد کرے اور آسمان پر ایک آہنی چادر تان دے کہ اس نوع کی دعائیں عرش سے نہ ٹکرائیں، آپ ہی غور فرمایئے، اس گرانی کے زمانے میں یہ دعائیہ ارزانی کیا ستم انگیز نہیں؟ مغلیہ حکمراں اپنے دور میں سہ ہزاری یا پنج ہزاری منصب سے کسی کو سرفراز کرتے تھے اور وہ منصبدار تین ہزار یا پانچ ہزار کی فوج اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔ بطور دعا آپ نے عزیز کو بھی اسی نوع کے منصبدار کا اعزاز دیا۔ اب اس سماں کا تصور فرمایئے جب آپ کی دعا قبول ہو اور عزیز کو "ایسی ہزاروں خوشیاں" حاصل ہوں یعنی ان کے جلو میں "ہزاروں ظفر" رہیں، گویا ایک "فوج ظفر موج" ہو گی جس کے بیچ میں آپ کے منصبدار صاحب یعنی عزیز اپنے اس باڈی گارڈ کے ساتھ خراماں ـــــــ خر.... اماں، چل رہے ہوں گے۔ ایسے تصور ہی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں، ہاں اگر گرانی نہ ہوتی تو شاید میں عرض کرتا ـــــــ نرخ بالا کن

کہ ارزانی ہنوز۔

اب اس سمع خراشی اور خصوصاً تحریر کے اس مخصوص جزو کو ختم کر رہا ہوں، لکھتے ہوئے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ لمحہ دعا کے مستجاب ہونے کا نہ ہو اور مجھے کہیں ایسی ہزاروں خوشیاں نصیب ہو جائیں۔

میرے ظفر کے لئے آپ نے دعا کی ہے کہ اس کو "دارین کی سعادت" حاصل ہو، خدا اس پرخلوص دعا کو قبول فرمائے، صحت، عافیت اور مسرت کے گہوارے میں وہ سدا جھولے اور ظفر و مظفر دونوں ہمیشہ مسرور و شاد رہیں۔ ظفر کی آمد کی جس لمحہ مجھے اطلاع ملی میری زبان سے صرف ایک جملہ نکلا اور وہ یہ تھا کہ "رب قدیر اس نونہال کو پروان چڑھائے اور انسان بنائے" دنیا میں مجھ جیسے کروروں آدمی ہیں، لیکن آج کی دنیا کو انسان کی ضرورت ہے۔ اور میرے ظفر کو خدا انسان بنائے، میں آدمی سے ڈرتا ہوں۔ غالب نے کہا ہے ؎

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آدمی سے کہ مردم گزیدہ ہوں

"دارین کی سعادت" کہہ کر آپ نے جو دعائیہ جا ارزانی ہے، خدا کرے اس میں میری یہ تمنا بھی سما جائے۔ آدمی اور انسان میں، میرے اپنے نقطۂ نظر سے بڑا فرق ہے، آج کا آدمی "مرید شیطان" ہے اور کل کا انسان وہ تھا، فرشتوں نے جسے سجدہ کیا۔ میں فلک زدہ ہوں، انسان نہ بن سکا، میر اظفر اختر زادہ ہے، متمنی ہوں کہ خدائے قدیر

اسے انسان اور ایک نڈر و جری انسان بنائے۔ آدمیوں کی اس بھری دنیا میں کوشش کر رہا تھا کہ انسان بنوں، مگر سب نے پکڑ جکڑ کر مجھے "چوپایہ" بنادیا، تا آنکہ آج دائرۂ انسانیت سے خارج اور جامۂ آدمیت سے معرا بن گیا ہوں ــــــ ایسے کہ ــــــ

رشتۂ در گردنم افگند دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

گردن کے اس رشتہ کا بوجھ ابھی برداشت کرنے کے قابل بھی نہ بنا تھا کہ دغابازوں کی دعاؤں کا ثمر ملا اور پاؤں میں یہ بیڑی پڑ گئی۔ اچھا اب خدا حافظ

برادرم عزیز۔

نونہال کی آمد مبارک ہو، آپ سے تقریباً پانچ سو میل دور ہوں اور کچھ ایسے موانعات ہیں کہ خود وہاں پہنچ کر ہدیۂ تبریک پیش کرنے اور تمام کی مسرتوں میں شریک ہونے سے قاصر ہوں اس لئے یہیں سے یہ مبارک باد عرض کر رہا ہوں۔ آپ تمام کو بچی کی صد ہزار خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں اور خود وہ دینی و دنیاوی نعمتوں سے مالا مال رہے۔

بچی کے نام کے بارے میں آپ نے مجھ سے سوال کیا ہے، اب حیران ہوں کیا جواب دوں، ٹال جاتا ہوں تو آپ کی بیگم صاحبہ کی

خفگی کا اندیشہ ہے اور کچھ تجویز کرتا ہوں تو اندیشہ ہے شاید پسند نہ آئے۔
میری رائے تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کو آپ اپنی بیگم صاحبہ کے سپرد کر دیں، لڑکی
کی مناسبت سے یہ صرف ان کا حق ہے، اگر لڑکا ہوتا تو آپ کو اختیار تھا۔
اس مسئلہ میں میرا ذاتی عمل یہی رہا۔ میرے یہاں "چراغ" روشن ہونے
سے بہت پہلے ہی دو نام میں نے تجویز کر لئے تھے، یعنے اگر لڑکی ہو تو ماں کے
نام کی نسبت کے ساتھ اس کا نام زبیدہ عزیز ہو اور اگر لڑکا رہے تو ظفر قریشی
کہلائے۔ چنانچہ بچہ کا نام میرا ہی تجویز کیا ہوا ہے۔ میری عجیب فطرت نے
تمام کو سہما دیا اور کسی نے بھی مخالفت نہ کی۔ میرا خیال ہے کہ نام بالکل مختصر
ہو اور بامعنی۔ بعض نام تو ایسے بے معنی سننے میں آئے کہ ہنسی آگئی۔ اور
اکثر نام میں نے ایسے بھی دیکھے جن کی پیمایش کے لئے گز کی ضرورت ہوئی۔
اس خصوص میں جس نئی "بدعت" کو میں نے رواج دیا ہے۔
(یعنے لڑکے کا نام باپ کے نام سے مناسبت رکھے اور لڑکی کے نام کے ساتھ
ماں کے نام کا جزو شریک رہے) کہئیے اس کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے۔
صورتِ اول کو تو آپ ضرور گوارا کریں گے، مگر صورت ثانی کو ماننے کے لئے
یقیناً آپ تیار نہ ہوں گے۔ میں جانتا ہوں کہ عورت کو اتنی عزت بھی دینے
کے آپ جیسے لوگ ہرگز روادار نہ ہوں گے۔ اس کی حیثیت تو بس ایک آنا
یا کھلائی کی ہے۔ کیوں ہے نا؟
جب ناموں کا ذکر آ ہی گیا تو ترقی کے ان مضحکہ خیز مدارج کا ذکر بھی
سن لیجئے جو یہاں آج کل مروج ہیں۔ فرض کیجئے گاؤں کی کوئی قمر بی اگر

شہر آتی ہیں تو وہ قمر بیگم بنتی ہیں اور اگر شہری "بنالی" جاتی ہیں تو قمر النسار ہو جاتی ہیں۔ اب اگر ان کے کوئی لڑکی ہوئی تو وہ قمر جہاں ہوگی۔ اور پھر ان کی لڑکی قمر بانو کہلائے گی۔ اب اتنے مدارج طے کرنے کے بعد کون پہچان سکتا ہے کہ کون لچھمی، برکت النسار بنی اور کس کے آغوش کی پروردہ برکت آرا، ہوئی؟ اسی لئے میری تجویز ہے کہ لڑکی کے نام کے ساتھ ماں کے نام کا جزو ضرور رہے۔

بعض گھرانوں میں نام قرآنی ہوتے ہیں، آئیے ایک لطیفہ سناؤں میرے ایک دوست ہیں۔ بڑی آرزو کے بعد قدرت نے انھیں اس دولت سے نوازا۔ ایک دن بالکل اچانک میں ان کے ہاں پہنچا، گھر میں داخل ہوا تو عود اور اگر بتی کی روح نواز خوشبو سے تمام گھر معطر نظر آیا۔ مکان کے وسطی ہال میں سارے مکین پورے ادب و احترام کے ساتھ جمع تھے میں بھی وہیں پہنچ گیا۔ ہال کے عین وسط میں عود دان سے قریب چوکی پر قرآن مجید نظر آیا اور پاس ہی بچہ پڑا ہوا نیند میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے نزدیک ہی بالکل سفید چادر اوڑھے، آنکھیں بند کئے اس کی دادی اور بازو ان کی بہو جمیلہ اسی احترام سے بیٹھی ہوئی تھیں، میں حیران تھا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے، بڑی دشواری کے بعد یہ معلوم ہوا کہ بچہ کی نام رکھائی ہو رہی ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ پھر کیا نام تجویز ہوا ہے تو بتلایا گیا کہ بازار سے شیرینی منگوائی گئی ہے، وہ آجائے تو فاتحہ ہوگی اور پھر قرآن سے استفادہ کیا جائے گا۔ بہت دھیمی آواز میں جمیلہ سے میں نے کہا قرآن کوئی

فال نامہ تو ہے نہیں۔ وہ ایک ضابطۂ حیات ہے، اس سے نام رکھائی کو کیا تعلق؟ تو جمیلہ کی تیوری پر بل پڑ گئے اور اشاروں ہی میں انھوں نے مجھے ڈانٹ دیا۔ کہ خبردار، ایسی بے ادبی نہ ہو۔ اتنے میں شیرینی آگئی دادی اماں کی آنکھیں کھلیں اور اپنی گرج دار آواز میں انھوں نے للکارا —— فاتحہ —— اور اس جنرل آرڈر کے ساتھ سب کے ہاتھ بلند ہو گئے۔ وہ بھی بڑا عجیب منظر تھا، آنکھیں بند، ہاتھ "ہینڈز اپ" کے انداز میں اوپر اٹھے ہوے اور تمام کے ہونٹ متحرک، غرض فاتحہ خوانی کے بعد، دادی اماں کا ہاتھ قرآن شریف کی طرف بڑھا، فرطِ احترام سے ساری گردنیں جھک گئیں۔ دادی اماں نے پہلے تو درود شریف پڑھا، پھر چند آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتے ہوئے بسم اللہ کہہ کر قرآن مجید کو کھولا اور آنکھیں بند کیئے ہوے داہنے صفحہ کی ایک سطر پر انھوں نے اپنی انگلی رکھ دی۔ اس کو دیکھنے کے لئے سب سے پہلے جمیلہ جھپٹیں اور "ہائیں" کہتے ہوئے سرد ہو کر وہیں بیٹھ گئیں۔ میں بھی آگے بڑھا اور دیکھا کہ دادی اماں کی انگلی لفظِ شیطان پر دھری ہے، بے ساختہ ہنسی آگئی اور اتنا زور سے ہنسا ہوں کہ بچہ سہم کر اٹھ گیا، میری یہ حرکت جمیلہ کو بری معلوم ہوئی۔ میں نے ان سے کہا برا کیا ہے۔ بچہ کو اسی نام سے موسوم کر دو۔ اور پھر ایسا نہ کرنا ایک طرح کی بے ادبی ہے کہ آپ حکم قرآنی سے منکر ہو رہی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا، "نام کے لئے صرف سر حرف لیا جاتا ہے" مجھ سے بھی رہا نہ گیا، فوراً کہہ اٹھا کہ ش سے شمر، شتر، یا شجر کیا برا ہے، وہ اور بھی جھنجھلا گئیں۔

پیچھے سے دادی اماں کی آواز آئی کہ یہاں ضرور کوئی شیطان آگیا ہے، پلٹ کر میں نے جواب دیا ——— جی ہاں! آئے ہوئے تقریباً دو ماہ ہو گئے۔ میرا اشارہ بچہ کی طرف تھا، اور خود وہ، مجھے مطعون کر رہی تھیں۔

اس اجتماع سے اس دن میں بڑا ملول ہو کر اٹھا، نہیں معلوم کہ مسلمان کب تک قرآن کا ایسا غلط احترام کریں گے، قرآن عمل کا طالب ہے۔ اور آج کا مسلمان اسی سے معرا۔

معاف کیجئے خط بہت طویل ہو گیا، اور بات میں بات نکلتی چلی گئی۔ فقط

یہ خط بیگم اختر قریشی صاحبہ (اہلیۂ مصنف) نے جناب محمد حسن الاعظمی صاحب پروفیسر جامعہ مصریہ کو ان کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

اخی المعظم دامت برکاتہم۔

وعلیکم السلام، نامۂ گرامی موجب امتنان و تشکر ہوا۔ میں نے خطاب کیا تھا اپنی بکرم بہن بیگم پروفیسر محمد علی صاحب کو، انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، شاید وہ مجھ سے گھبرا گئی ہوں، زبانی پیام آیا تو جواباً (۱۴) صفحہ کا خط میں نے لکھ مارا، انھیں گمان ہوا کہ یہ تو بڑی بکواس کرنے والی ہے تحریر کا جواب دوں تو ایک دفتر الٹ دے گی، اسی لئے شاید خاموش ہو گئیں۔ انھیں میرا سلام پہنچائیے اور مزاج پرسی کیجئے۔ خدا کرے وہ اب بعافیت ہوں۔

اب میں سرفراز نامہ کی طرف پلٹتی ہوں۔ آپ نے مجھ ناچیز کی

"بلند نظری اور اعلیٰ خیالی" کی تعریف فرمائی۔ توبہ، توبہ۔ یہ آپ نے کیا لکھ دیا۔ ہندوستان میں، وہ بھی مسلم عورت اور بلند نظر و اعلیٰ خیال۔ دیکھیے کوئی مرد نہ سن پائے، ورنہ آپ کا مذاق ہی اڑے گا۔ یہاں تو عورت نام ہے پست نظر اور تنگ خیالی کا۔ یہاں تو قرآن اور احادیث سے اپنے اپنے مطلب کی تاویلات اور باریکیاں پیدا کر کے عورت کو صرف "لباس" اور "کھیتی" بنائے رکھا گیا ہے۔ گستاخی ہوگی اگر اور گہرائی میں جاؤں، اس لئے سطحی نظر ڈالتی چلوں گی۔ ہم صرف لباس ہیں، مرد کو سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے کے لئے، وہ جب چاہے پہن لے اور جب چاہے اتار پھینکے۔ کون پوچھے، وہ حاکم ہے اور ہم محکوم، وہ بھگوان ہے اور ہم پجاری۔ جس کے چرنوں کی خاک ہمارے ماتھے پر دمکتی ہو۔ بھلا ہماری مجال جو قدموں سے نظر اٹھا کر بھی اس کو دیکھ لیں۔ قرآن نے عورت کو لباس اور کھیتی کہہ کر اس کے مرتبہ کو کس قدر بلند کر دیا اور یہ کس قدر بلیغ تشبیہ ہے۔ لیکن افسوس کہ ان الفاظ کی معنویت اور روح کو الگ کر کے صرف جسد سے کھیلا گیا۔ غلط تعلیم، غلط تربیت، غلط ماحول، اور پھر اس پر رواجی پردے کی سنگین دیواریں۔ جی ہاں، ہم بڑے گنہگار ہیں اور واقعی خطاکار۔ اور لطف دیکھئے کہا جاتا ہے کہ ہم کاہل ہیں، جاہل ہیں، تاریک خیال ہیں، بھائی! آپ ہی انصاف سے کہئے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ تلوار کو زنگ آلود بنا کر بتلاتے پھرنا کہ اس میں کاٹنے کی صلاحیت نہیں، یہ زیادتی ہے نا؟ پرندہ کو پر خلیج کر کے شکایت کرنا کہ

اس میں پرواز کی قوت نہیں، صریگاد ہو کہ ہے۔ مانتی ہوں کہ ؎

قید قفس میں طاقت پرواز مٹ گئی

رعشہ سا کچھ ضرور ابھی بال و پر میں ہے

راکھ کے اس ڈھیر میں اب بھی وہ چنگاری چھپی ہے جس کو ذرا ہوا ملے تو فاطمہ بنت عبداللہ۔ قرۃ العین۔ رضیہ سلطانہ۔ اور خالدہ ادیب جیسے صدہا شرارے اٹھ سکتے ہیں۔ میں اس کشت ویراں سے آج بھی مایوس نہیں ہوں، بقول اقبال ——

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اگر واقعی ہم تنگ نظر اور پست خیال ہیں تو بتلائیے اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ قرآن ہم کو طوطے کی طرح رٹایا جاتا ہے، لڑکی کو بامعنی قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں، کہا جاتا ہے کہ اس میں "پردے" کی باتیں ہیں، پردہ وردہ کیا، اصل مجھ سے پوچھئے، سمجھا جاتا ہے، کہ لڑکی قرآن کو سمجھ کر پڑھے گی تو وہ اپنے فطری اور قرآنی حقوق طلب کرے گی، اس طرح مرد کی خدائی پر اوس گر جائے گی۔ وہ جو کہا گیا ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" بس اسی ایک اندیشہ نے مسلم لڑکی کو تاراج کر دیا۔ اس کی زندگی کا مقصد صرف "لباس" بننا ہے۔ اور بس، حالانکہ دنیا کی یہ رونقیں اسی کے دم سے ہیں جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے وہی دنیا پر حکومت کرتا ہے، اسی کی آغوش میں پلنے والے یہ عالم، فاضل، اور آمر ہیں۔ اب ختم بھی کروں، اس رونے کو

کہاں تک مرثیہ سنئے گا۔

آپ کی تحریر میں ایک بات بڑی عجیب نظر آئی۔ یعنے آپ کا نظریہ کہ "بہادر شادی کے بعد بزدل ہوجاتا ہے" پہلے اس کو لفظی طور پر حل کردوں تب آگے بڑھوں، آپ نے لفظ شادی استعمال کیا، جس کے معنی خوشی اور مسرت کے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو شخص ضرورت سے زیادہ ہنستا ہے، اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور زیادہ ہنسنے کی وجہ سے اس کا دوران خون بڑھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر بعد اس شخص کے دل کی حرکت کمزور ہوجاتی ہے۔ اب کوئی شخص جو اس کی ہنسی کے وقت موجود نہ ہو اور اس وقت آئے جب ہنسنے والے کے آنسو جاری تھے تو وہ یہی تو کہے گا کہ یہ مرد کتنا بزدل ہے کہ رو رہا ہے۔ اس طرح آپ کا نظریہ صحیح ہوگا کہ "مرد شادی کے بعد بزدل ہوجاتا ہے" اگر عقد کو روحانی اتصال کا ذریعہ تصور کیجئے تو یہ طرفین کے لئے کمزوری یا بزدلی نہیں بلکہ دگنی قوت ہوگی۔ آپسی خلوص اور باہمی ارتباط دو زندگیوں کو منظم کردیگا۔ "یک جان و دو قالب" اسی روحانی ربط و تعلق کی نسبت تو کہا گیا ہے۔ آپ چونکہ مصر اور ممالک اسلامیہ ہو آئے ہیں اس لئے ممکن ہے اتاترک کی مثال پیش فرمائیں۔ جن کی نسبت میں نے پڑھا ہے کہ انھوں نے اپنا ازدواجی دور نہایت کامیاب گزارا۔ یہ جو مشہور ہے کہ لطیفہ خانم ان کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں اور اسی لئے انھوں نے طلاق دی، جہاں تک میں سمجھتی ہوں غلط ہے، مصطفےٰ کمال نے عقد

اس وقت کیا جب وہ اپنے ذیلی مہمات سے فارغ ہوگئے، اور یہ دور ترکی کو راہ ترقی پر ڈال چکا تھا، کمال کا انتخاب بھی انتخاب کا کمال ہی ہوگا۔ لطیفہ خانم کوئی تاریک خیال اور پست ذہنیت کی ہرگز نہوں گی اگر ایسا ہوتا تو اس مدبر کی نظر انتخاب ان پہ نہ پڑتی۔ اتاترک چوں کہ ایک کامل انسان تھے، اور جب دو برتن یک جا ہوتے ہیں تو آواز پیدا ہو ہی جاتی ہے، باہمی کسی تکرار کی وجہ ممکن ہے انھوں نے سوچا ہو کہ آئندہ کی مزید رنجش کو بڑھانے سے یہ بہتر ہے کہ قطع تعلق ہو جائے، یا پھر قومی اور ملی خدمت کے جذبے نے یکسوئی کی خاطر ان کو ایسے عمل پر مجبور کیا ہوگا، لفظ شادی ہماری زبانوں پر چڑھ گیا ہے جو انگریزی لفظ مرری یا میاری کا ہم معنی ہے۔ جن کے ہاں شادی نام ہے جسمانی اتصال کا نہ کہ روحانی۔ میرا ناچیز خیال ہے کہ آپ لفظ میاریج کی بجائے وڈلاک کا استعمال فرمائیں تو "بی شادی" سے جو دہشت آپ کو ہے وہ دور ہو جائے گی۔ شادی کی بجائے آپ عقد کا لفظ پیش نظر رکھئے، تو گرہ، گانٹھ، بندھن وغیرہ جیسے ہم معنی الفاظ ذہن میں آئیں گے، اور لازمی طور پر فرائض اور ذمہ داریوں کی ہولناک تصویر آتی ہے تو وہ رو پڑتا ہے، اور یہ رونا بعد کے ہنسنے کی دلیل بنتا ہے۔ کسی خلیفہ اسلام کا حال میں نے پڑھا تھا کہ جب اُن کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ آپ خلیفہ قرار پائے ہیں تو وہ بے اختیار رونے لگے اور اتنا روئے کہ بیہوش ہو گئے، ہوش آیا

تو لوگوں نے پوچھا آخر خوشی کے موقعہ پر رونا کیسا؟ آپ نے جواب دیا ذمہ داری کے احساس نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ آپ کے اختر بھیا کا حال بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ عقد کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، کسی نے مذاق اڑایا، کسی نے بدگمانی کی، لیکن اب جب کہ میں انکی حساس طبیعت کا جائزہ لے چکی ہوں تو معلوم ہوا کہ ان کا رونا دراصل اپنی فرض شناسی کا ثبوت تھا۔ معاف کیجئے بات بڑی طویل ہو گئی اور مجھے ابھی بہت کچھ کہنا ہے۔

میرے ظفر کو آپ نے "چقندر" لکھا۔ خیر جو چاہے کہئیے وہ آپ کا بھانجہ ہے، طبی نقطۂ نظر سے آپ کو معلوم ہے کہ چقندر کی خاصیت کیا ہے؟ وہ خون آور ہے جناب۔ اور خون آور چیز تقویت کا موجب بنتی ہے، گویا آپ نے خود یہ تسلیم کر لیا کہ بچے مقویات سے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ توانا اور تندرست بچے کو ہنستا کھیلتا دیکھ کر، بوڑھوں کا خون بھی جوش مارنے لگتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ بیوی یا بچے کسی کے سدِ راہ ہوتے ہیں، مرد اپنی کاہلی اور سستی کو چھپانے کے لئے اگر ان کی آڑ لے تو اس میں ان کا کیا قصور۔

میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اختر صاحب ظفر سے نزدیک بھی ہیں اور دور بھی ہیں یا بچہ ان کی راہ کا کانٹا نہ ہیں اور نہ وہ سمجھتے ہونگے میرا غرض تو ان کے لئے راستہ صاف کرنا ہے۔ آپ اطمینان رکھیئے۔ میں احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے فطری اور قرآنی حقوق

دے رکھے ہیں، اس دو سالہ زندگی میں ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے
اگر وہ سیدھے راستہ پر ہوں اور ملت کے لئے کوئی اقدام کریں تو میرا ہر
امکانی ایثار اور میری ممکنہ قربانی ان کے ساتھ ہوگی۔ مرحوم ڈاکٹر انصاری
سے سنا ہوا، جنگ بلقان کا ایک واقعہ انھوں نے سنایا تھا کہ
ایک ترکی سپاہی کو جب حجاز جانے کا حکم ملا تو وہ بیوی اور اپنی اکلوتی
بچی سے رخصت ہونے گھر گیا، کہ بگل کی آواز سنائی دی، بچی کو پیار
کیا اور بیوی سے رخصت ہو کر گھر سے چلا، کچھ دور جا کر وہ لوٹ آیا
اور بچی کو بوسہ دے کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تیسری دفعہ وہ پھر
پلٹا، مکان کا دروازہ بند تھا، اس نے آواز دی، بالاخانہ پر اس کی بیوی
آگئی، اور پوچھنے لگی کہ آپ کیوں پلٹ آئے، سپاہی نے جواب دیا
کہ میں ایک بار اور بچی کو چومنا چاہتا تھا، بیوی نے کہا اچھا، اور وہ
اندر گئی اپنے جگر گوشہ کو اٹھا لائی، بوسہ دی اور بالاخانہ کی بلندی سے
بالکل اچانک اپنی بچی کو نیچے پھینک دی ایسے کہ اس کا سر پاش پاش
ہو گیا۔ اس ظالمانہ حرکت پر جب عدالت نے اس عورت سے سوال
کیا تو اس نے کہا، میں دیکھ رہی تھی کہ بچی میرے شوہر کو ادائے فرض
سے روک رہی ہے، جو مجھے گوارا نہ ہوا۔ اور اسی لئے میں نے اپنے جگر
گوشہ کو وطن اور ملت پر قربان کر دیا۔ تو بھائی صاحب جسطرح ایک
ترکی عورت حوا کی بیٹی ہے ویسے ہی ایک ہندی مسلم خاتون بھی۔ ایثار
ہم نے بھی کئے۔ قربانیاں ہم نے بھی دیں، لیکن افسوس کہ ہماری

نہ عزت ہوئی نہ قدر ہے

سوختیم و سوزش ما بر کسے ظاہر نہ شد

چوں چراغاں شب مہتاب بیجا سوختیم

آج ساری دنیا میں ترکی خاتون معزز ہے اور یہ نتیجہ ہے کہ وہاں کا مرد اس تلوار کو جلا دے کر اس کی آب و تاب پر فخر کرے اور یہاں کا مرد اپنے نصف بہتر کو زنگ آلود رکھ کر کہتا پھرے کہ ہماری عورتیں صرف کھانا رونا اور سونا جانتی ہیں۔ قید و بند میں جکڑ کر ہمارا مذاق اڑانے والا مرد، ایک نہ ایک دن ضرور خفت اٹھائے گا، انشاء اللہ العزیز باوجود اس کے کہ میں پارس سے قریب ہوں، پھر بھی، ابھی مجھ میں (فطری نہیں بلکہ پیدا کرائی ہوئی) کمزوریاں ہیں ذرا دم لوں تو پھر

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گی اپنے درماندہ کاروان کو

شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہوگا

آپ کی ناچیز بہن۔ عزیز

ہمشیرۂ مکرمہ۔

سلام مسنون۔ کئی روز ہوئے نامۂ اخلاص بامرہ نواز ہو کر مفتخر کیا، نادم ہوں جواب دیر سے آ رہا ہے۔ پرلیس میں میری حالت ___ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ ___ کے مصداق ہے

جہاں مصروفیت کا یہ عالم رہتا ہے کہ بعض وقت میں خود کو بھول جاتا ہوں بہرحال تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

"روح حیات" کی نسبت آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ "اس کو پڑھکر میرے جسد مردہ میں ایک روح سما گئی" میری شرمندگی کا باعث ہوا۔ یہ شاید آپ نے مجھے بنانے کے لئے لکھا، ورنہ اس میں ایسی کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔ آپ کی اس برادر نوازی کا شکر گذار ہوں۔

طالبات کے لئے قرآنی درسگاہ کی تجویز نہایت اہم اور بڑی احسن ہے، خدا کرے کہ آپ اس تحریک کو عملی جامہ پہنائیں۔ جس اہم مقصد کو لے کر آپ اٹھنا چاہتی ہیں یہ آج نہیں کل، ملک کے گوشہ گوشہ سے آپ کو خراج تحسین دلوائے گا۔ سطحی نظر رکھنے والے ممکن ہے ان عواقب کو نہ دیکھ سکیں جو اس سعی مسعود کے پیچھے ہوں گے اور عجب نہیں جو اس سائنسی دور میں قرآنی تعلیم، آپ کا مذاق اڑائے۔ لیکن ہمت نہ ہارئیے۔ ستائش کی تمنا اور صلہ کی پروا کئے بغیر کام شروع کیجئے، نیک نیتی اور خلوص کا پرچم ہمیشہ بلند ہی رہے گا۔ انگریزی اور انگریزی طرز کی تعلیم کے اس تباہ کن سیلاب میں صرف قرآن کو پڑھانا عجیب ضرور معلوم ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہی تعلیم مسلمانوں میں کل ایک عظیم انقلاب پیدا کر دے گی۔ خواتین میں اشاعت قرآن کا کام، گویا مریض ملت کی بڑی دکھتی رگ پر آپ نے ہاتھ رکھا اور اتنے بلند عزائم کے ساتھ، رب قدیر آپ کو کامیاب و

کامران کرے۔ میرا ایقان تو یہ ہے کہ قرآن حمید کو سمجھ کر پڑھنے والی ماں کی گود کا بچہ، کل صاحب کردار، حامل قرآن اور عامل احکام قرآنی ہوگا، صدہا مدرسہ اور ہزاروں تادیب خانے اس تجویز کے آگے ہیچ ہیں۔ پروفیسر آر، ڈیمین گرانج نے کہا تھا کہ

No external reforms can touch a man or change him. The reformation must be an individual change of mind with in himself.

کیا یہ واقعہ نہیں کہ بیرونی اصلاحی ساری تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ وہ ذہنی انقلاب جو ایک بچہ اپنی درسگاہ اولین یعنی ماں کی گود سے لاتا ہے یا زمانہ معصومیت میں اپنے ماحول سے اخذ کرتا ہے وہی (Chang of mind) بن کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتا ہے۔ ترکی مجاہدہ مشہور خاتون خالدہ ادیب سے ایک دفعہ ملنے کا اتفاق ہوا، جنھوں نے بتلایا تھا کہ جدید ترکی پر مرد کا اتنا نہیں جتنا کہ عورت کا احسان ہے۔ جس کی گود کا ہر بچہ آج مصطفیٰ کمال اور خالدہ ادیب بنا ہوا ہے۔

معاف کیجئے، خیالات کی رو میں، دکن سے میں ترکی پہنچ گیا۔ ابھی تو ہم کو اپنے مُردوں پر فاتحہ پڑھنی ہے، یہاں ان زندوں کا کیا ذکر؟ ایک انتہائی سنجیدہ اجتماع میں ایک صاحب نے دکن کے اولو العزم

مجاہد اعظم پر اعتراض کر دیا۔ کہہ رہے تھے کہ آخر انھوں نے کیا کیا؟ بدنصیبی سے اس اجتماع میں، میں بھی موجود تھا، یہ اعتراض مجھ سے نہ سنا گیا اور انھیں مخاطب کر ہی لیا، یہ کہتے ہوئے کہ "اس اعتراض میں آپ کا ہم نوا میں بھی ہوں۔ یقیناً انھوں نے کچھ نہیں کیا نہ کوئی سینما ہال بنوایا۔ نہ اسٹیڈیم تعمیر کروایا۔ نہ گھوڑ دوڑ میں اچھے گھوڑے شریک کرائے اور نہ ہی کسی کرکٹ یا فٹبال ٹورنمنٹ کی بنا ڈالی۔ بڑے ہی بے حس اور مردہ دل تھے وہ۔ اس کے باوجود میں ان کا احسان مند ہوں اور آئندہ نسلیں ان پر فخر و ناز کریں گی، کہ انھوں نے مردوں کو جلا لیا۔ بہادر خاں کا یہ احسان ہی کیا کچھ کم ہے کہ محض ان کی بدولت آج آپ میں اتنا شعور تو پیدا ہو گیا۔ بہ نظر اعتراض ہی سہی، مگر آپ ایسا سوال کرنے کے قابل تو ہوئے احساس کا پیدا کرانا ہی ان کا کارنامۂ عظیم ہے، اب اس کے بعد حرکت اور حرکت کے ساتھ ہی عمل۔ شمع مہیا کر دی گئی، دیا سلائی موجود ہے، اور آپ کو آپ کے مقام، منزلت اور حقیقت سے روشناس کرا دیا گیا، اور اس تاریکی کو بھی بتلا یا جس میں آپ گھرے ہوئے ہیں اب صرف شمع روشن کرنی ہے، ایک بار جب یہ شمع جل اٹھیگی تو پھر پھونکوں سے وہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

یہ ذکر بظاہر بے محل معلوم ہو گا لیکن میں آپ کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اس بطل حریت کا پیدا کرایا ہوا احساس کس قدر ادھورا

رہ جائے گا اگر (Change of mind within himself)

کے سامان مہیا نہ ہوں۔ اور یہ کام صرف ماں کا ہے۔

اگر حالات سازگار رہے تو درسگاہ کو اقامتی درسگاہ میں تبدیل کر لیجئے، یہ بھی مقدم ہے۔ بچوں کی ذہنیت' طبائع اور عادات و اطوار پر ماحول کا گہرا اثر پڑتا ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "اگر تم اپنے بچہ کی اچھی تربیت چاہتے ہو تو اس پر نہیں بلکہ اس کے اطراف وجوانب پر نظر رکھو"۔ ماحول غلط ہو تو ساری تعلیم اور تمام تربیت پر پانی پھر جاتا ہے ماحول سے قطع نظر میں نے یہاں تک مشاہدہ کیا ہے کہ مقام یا جس نام سے مقام موسوم ہو، اس کا بھی بچہ کی ذہنیت پر کافی اثر پڑتا ہے۔ میرے ایک عزیز ہیں جن کا لڑکا اس وقت فوج میں ہے۔ درآنحالیکہ اس کے خاندان میں کسی نے فوج کی نوکری نہیں کی' بات صرف یہ تھی کہ اس کی پیدائش اور بچپن کا ایک مختصر دور ایک ایسے مکان میں گذرا، جس کے سامنے اور بازو فوجی بیارکس تھے۔ ایک اور مثال ہے، ایک صاحب ہیں جن کی پیدائش ایک ایسے محلہ کی ہے جس کو محلۂ بہروپیہ کہتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ان کے اجداد کا ان فن کاروں (بہروپیوں) سے کوئی رشتہ نہ تھا، پھر بھی وہ اس بلا کے بہروپیہ ہیں کہ پناہ بخدا، ہر روپ میں وہ رنگ نکھرتا ہے کہ اگر تفصیلات میں جاؤں تو یہ تحریر مداری کا تماشہ بن کر رہ جائے۔ اگر وہ کسی پنجابی سے ملیں تو خود کو ٹھیٹ پنجابی بتلائیں، کسی مدراسی سے کار اجرائی مطلوب ہو تو خود کو

مدراسیت طاری کریں۔ صوبۂ متحدہ یا دلی والوں سے رابطہ کی ضرورت ہوئی تو رفتار اور گفتار کو اس مخصوص سانچے میں ڈھال لیں۔ محافل ومجالس میں ان کی شرکت کا بھی عجیب عالم ہے، دنیا والوں کا مجمع ہوا تو پکے دنیادار بن گئے، اور دیندار کہیں اکٹھے ہوں تو دینداری کا اندازہ مل لیا ——— غرض نسلاً بہروپیہ نہیں مگر اصلاً ہر روپ میں ہیں۔

اقامتی درسگاہ سے میرا مدعا یہی تھا کہ بچیوں کی صرف تعلیم اور تربیت ہی نہیں بلکہ ان کے لئے ایک اچھا ماحول بھی لازمی ہے۔

آپ کے بلند عزائم اور اعلیٰ مقاصد سے مجھے پوری ہمدردی ہے اور یقین دلاتا ہوں کہ اس کام کے انصرام میں جس نوع کی خدمت آپ میرے تفویض کریں گی۔ ادائے فرض میں کوتاہی نہ کروں گا۔

اپنے خاندان میں، پرایا ہوں، ساری دنیا سے منہ موڑ کر میں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک ایک کو آپ کی درسگاہ میں پہنچا دیتا۔ اب رہ جاتا ہے "روح حیات" یعنے آپ کی بھاوج صاحبہ کو شریک درس کرانے کا سوال ——— تو یہ ذرا ٹیڑھا ہے ——— کیوں ——— کیا سنئے گا؟ بات یہ ہے کہ روح ابھی قالب حیات میں ڈھلی نہیں اور جیسا کہ آپ جانتی ہیں، روح صرف محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس وقت جب یہ مادہ کی شکل اختیار کرلے تب میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان کو ضرور شریک درس

کراؤں گا۔ ایسا کیجئے، ۱۱ ربیع الاول کو روح حیات سے وابستہ ہو گی، یہ تاریخ مقرر ہو چکی ہے، اس روز بعد مغرب آپ وہاں جائیے اور انھیں سیدھے اپنے پاس ہی لے آئیے۔ تشریک درس بھی کرنا اور اپنے مبارک مقصد میں ان سے خدمت بھی لینا۔ یہ شرکت عقد کی دعوت ہی نہیں بلکہ آپ کی تحریک و تجویز میں ملت کی ایک خادمہ کی حقیر خدمات کا "پیشگی" پیش کش ہے۔ کہئے قبول ہے؟

اب خدا حافظ

صدیقی المکرم۔ وعلیکم السلام۔

گرامی نامہ نے مشکور کیا۔ کئی دن باہر گزارنے کے بعد کوئی ایک ہفتہ ہوا کہ پلٹا ہوں۔

ہاں! اس حادثہ کے وقت بدنصیبی سے جو میں وہیں موجود تھا۔ تفصیلات کیا بتلاؤں۔ اتنا سمجھ لیجئے کہ باگ غلط ہاتھوں میں چلی گئی اس وقت بعض بڑوں کی طفلانہ حرکات دیکھ کر آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ آگے بڑھنے اور پوری طرح ابھر آنے کا قدرت نے اچھا موقع دیا تھا۔ لیکن افسوس ——— وہ نادان گر پڑے سجدہ میں جب وقتِ قیام آیا۔ اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کسی کی کمائی کی اگر لاج رہ سکتی ہے تو صرف اسی وقت جب لوگ یہ کہہ کر آگے بڑھیں کہ ——— ما خدا داریم، ما را ناخدا درکار نیست، مجھے معلوم ہے

کرنے والے نے اندر ہی اندر سب کے دامن کو کس بری طرح داغدار بنا دیا ہے۔ جو صاحب کردار اور مخلص تھے وہ یا تو خود ہی کٹ گئے یا انھیں کاٹ دیا گیا، اب جو ہیں، کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ گردن اٹھا کر چار آنکھیں کرے۔ ہر فرد اپنی دھن میں لگا ہے، دولت، جھوٹی عزت اور بے معنی وقار کی طمع نے سب کو اندھا بنا دیا ہے۔ زر کی لالچ میں نیاریا بن کر کوئی خاک چھان رہا ہے تو فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی کاشتکار بن گیا ہے۔ کہیں اجازت نامے کسی کی تجوری بھر رہے ہیں۔ کوئی قوم فروشی کا ٹھیکہ دار بن کر روپیہ رول رہا ہے تو اغیار سے اپنی پچھلی وفاداریوں کو جتلا کر ایک لمبی اڑان لگانے کے لئے کوئی اپنے پر تول رہا ہے۔ کسی کے آگے جاہ ہے تو کوئی حصول منصب کی فکر میں لگا ہے، غرض کوئی بے غرض نہیں رہا۔

اب کون کہے ان سے ؎

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

وہ بے لوث خدمت گزار، کل جن کے خلوص اور ایثار پر کوئی سر دھنتا تھا اور جو حقیقی معنی میں ناصر الدین تھے آج منظر سے ہٹ گئے۔ آخر کیوں نہ دور ہوتے، وہ بت شکن بن سکتے ہیں، بت فروش نہیں ہو سکتے ـــــــ اقبال نے کس قدر صحیح کہا ہے ـــــــ

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

کہا جا رہا ہے کہ اس حادثہ نے بنیادوں کو مستحکم کر دیا ـــــــ یہ سچ ہے

اجتماعی بنیاد کھوکھلی بن گئی، جس سے نکالی ہوئی اینٹیں انفرادی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں کام آرہی ہیں، لیکن ایسی عمارت کی پائیداری معلوم جس کی بنا ر ریت پر ہو۔ مگر یہ ریت پرانی ہے کہ ایسی عمارتیں زیادہ نہیں ٹھیرتیں، طوفانی ہواؤں کا ایک سخت جھونکا چلنے کو ہے۔ اس وقت سب کی قلعی کھل جائے گی، خدا کرے کہ ایسا ہو اور بہت جلد ــــــ

اب اسی پر رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ

اجی او میاں مجنوں!

یہ تم نے پھر کون سی لیلیٰ کو تاکا ہے؟ سنا ہوں کہ ان دنوں بہت بے حال ہو۔ اللہ رکھے ابھی تو تم خود اس قابل ہو کہ تمہارے عشق میں کوئی پاگل بنے، اور تمہارے فراق میں محکمہ جنگلات کا انسپکٹر بن جائے۔ چہ جائے کہ کسی کے فراق کا بھوت تمہارے سر ہو۔ اس خیال ہی سے مجھے ہنسی آرہی ہے کہ تم نے کسی جگہ اس بری طرح اپنا دل "اٹکایا" ہے تمہارے معلم اعلیٰ مسٹر فرہاد نے تو تیشہ سے اپنا کام تمام کیا تھا۔ اب تو وہ زمانہ رہا نہیں، ہاں کہو تو کسی خاکسار سے "بیل چہ" فراہم کردوں ــــــ مگر تم اتنے با حیا کب ہو، اور جب ہی تو تمھیں موت بھی نہیں آتی نہ جانے تمہاری شیطنت کب ختم ہوگی؟ کیا ظلم ہے، آج اِس کو تاکا، کل اُس کو جھانکا ــــــ آج اسے چھیڑا کل اُسے گھیرا ــــــ اور پھر برسوں بس گورے ہی گورے، نئی آرزوئیں، نئے ارمان، نئے چونچلے

میرا بس چلے تو تمہاری بوٹیاں نچوادوں، صرف ایک سکنڈ کے لئے سہی، اگر کسی طرح سماج میرے تابع ہو جائے تو تم جیسوں کو زندہ چنوا دوں!

تمہارا عشق اور تمہاری عاشقی دونوں سے میں واقف ہوں، شہد کی مکھی کی طرح کسی پھول پر بیٹھے، رس چوسا اور اڑ گئے، ادھر غریب پھول کمھلا کر رہ گیا، تمہاری بلا سے، اندھا سماج تم کو تو پوچھتا نہیں اور ٹوٹ پڑتا ہے، اس بے بس پر جو تمہاری ہوس کا شکار ہوئی۔ عورت اگر کسی کو صرف نظر اٹھا کر دیکھ لے تو گنہ گار اور قابل دار، اس کی عصمت پر شبہ، اس کی عفت اور نیکی پر دھبہ ——— اور مرد، دن رات اور بالاعلان ایسی شیطنت کرتا پھرے تو کوئی اس کی بوٹیاں نہیں اڑاتا، کیا اندھیر ہے کہ تم جیسے بڑے بڑے ڈاکو تو رنگ رلیاں مناتے، عیش کرتے پھر رہیا اور ادنی چور ہتھکڑی بیڑی میں جکڑے قید کی کوٹھری میں رہیں۔ نہ جانے غریب عورت کب تک اس سماج کے پنجہ میں جکڑی رہے گی۔ مگر اب زیادہ انتظار کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیوں کہ برسوں تک عورتیں مرد کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی تھیں، کل وہ خود کو سمجھ گئیں، اور آج مرد کو جانچنے کے ساتھ ہی، خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہیں ——— اور آئندہ کل یقین رکھو، ایک بھوکی شیرنی کی طرح وہ تم پر جھپٹ پڑیں گی۔

ظالم آدمی! خدا کے لئے اب تو اس لفنگے پن سے باز آؤ۔ ورنہ یاد رکھو کسی دن وہاں آ کر تمہارا سر کچل دوں گا۔

بے مروت کہیں کے!

خدا تم سے سمجھے، کل آنے کا وعدہ کیا، تمام دن گذرا، آدھی رات گئی، پھر بھی تمہارا سایہ تک نظر نہ آیا، نہ آنا تھا تو "میرے گھر کی دربانی" مجھے کیوں سونپی گئی، اور انتظار کی زحمت میں مجھے کس لئے مبتلا رکھا؟ معلوم تھا کہ تم نہ آؤ گے پھر بھی منتظر رہا، خیر، یاد رکھو اس کا بدلہ ضرور لوں گا، اور اتنا شدید کہ توبہ کرتے بنے گی —— ہاں خوب یاد آیا کل اپریل کی پہلی تاریخ تھی شاید اسی لئے تم نے مجھے یوں "بیوقوف" بنایا۔ لیکن میری سمجھ میں نہ آیا، ہندوستان کو اپریل سے کیا تعلق یہاں سال کے ۳۶۴ دن کون سی عقلمندی کے کاموں میں گزرتے ہیں جو ایک دن ہم عالم شعور سے ہٹ کر بسر کریں۔ شیعہ، سنی اختلاف ہندو مسلم فساد، مولاناؤں کی کافروں پر چڑھائی، کافروں کی مولاناؤں پر یورش، زبان پر تکرار، تراٹوں پر جھگڑا، باجہ پر فساد، غرض ایک چیز ہو تو بتلاؤں، دس ہوں تو گنواؤں، جب ہمارا تمام سال ایسے ایسے انسانیت سوز حرکات اور ایسی بیہودگیوں میں بسر ہوتا ہو تو ہم کو ایک دن کے لئے بیوقوف بننے یا بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے، ہمارے ہاں سال تمام بیوقوفی کے جو مظاہرے ہوتے ہیں اگر یہ نہ بھی ہوں، تب بھی ہماری غلامی، بے عملی اور جمود کی زندگی ہی ہمیں بیوقوف کہلانے کے لئے بہت کافی ہے۔

صدیقی!

آپ کی مشکل پسند طبیعت سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ آپ کوئی نہ کوئی آفت ضرور اپنے سر مسلّط کر ہی لیں گے۔ تنویر سے پرسوں زمرد محل میں ملنا ہوا، جن کے ساتھ نجمہ بھی تھیں، ان دونوں نے خوب مزے لے لے کر آپ کے اس "خبط" کا پورا حال سنایا، جس کو سن کر ہنسی آئی کہ "آزمودہ را آزمودن" کے مصداق آپ "انھیں" پھر آزما رہے ہیں ساتھ ہی افسوس بھی ہوا کہ بڑے بڑے حکیم نامور فلاسفر اور اچھے فطرت شناس بھی جس معمہ کو حل نہ کر سکے، کسی مفید نتیجہ پر آپ پھر کس طرح پہنچ جائیں گے؟ عورت ایک راز ہے اور اس کی فطرت ایک لاینحل معمہ ——— عورت مشرق کی ہو کہ مغرب کی ——— کسی مذہب کی ہو اور کسی مشرب کی ——— عورت، عورت ہی ہے اس کی فطرت کا مطالعہ کرنا مشکل، اور خصوصاً آپ جیسوں کے لئے تو قطعی ناممکن۔ یہ کبھی جوزیفائین کے روپ میں نپولین جیسے شیر دل مردوں کو انگلیوں پر نچاتی ہے، تو کبھی کلوپٹرا بن کر، جوانی اور امنگوں کی ایک بھرپور رات، جنسی خواہشات کے غلاموں کی آغوش میں بسر کرتی اور مرغ سحر کی بانگ کے ساتھ ہی زہر کا پیالہ پیش کر دیتی ہے۔ کوئی سالومی کا بھیس بدل کر جوکنعان جیسے ہزاروں مقدس اور منزہ جسم کو آلودہ کرتی اور ان کا سر تن سے جدا کر کے اپنی ہٹ کا مظاہرہ اپنی خواہش کا تکملہ کر لیتی ہے۔ اور کوئی مونیز کی شکل اختیار کر کے تاجداروں

کو بے تاج بنا دیتی ہے۔ عورت خود بہت کم فریب کھاتی ہے، مگر ہر ہر قدم پر مرد کو مبتلائے فریب رکھنا، اس کی عین فطرت ہے، جری سے جری مرد بھی عورت کے آنسو کی تاب نہیں لا سکتا، یہ آنسو کبھی تو ایک "جال" ہوتے ہیں اور کبھی ایک ایسی "ڈھال" کہ مرد کے آنکھوں کی کڑکتی بجلی جس پر گر کر سرد پڑ جائے۔ عورت اپنے ہلکے تبسم سے دشمن کو دوست اور دوست کو پجاری بنا لیتی ہے۔ چند لمحوں کی یکجائی، یا دو چار ہلکے تبسم آپ کی نظروں میں عورت کی محبت کے ضامن ہوں گے، مگر اپنی محبت کی ضمانت میں اگر آپ اپنا سر تن سے جدا کر دیں تو پھر بھی اس کو مطمئن نہ کر سکیں گے۔ آپ جتنا عورت کی طرف کھچتے جائیں گے وہ اتنا ہی کھچی رہے گی کہ آپ زیادہ سے زیادہ اس کے گرویدہ ہو رہیں۔ وہ آپ کا اعتبار تو چھین لے گی مگر ساتھ ہی اپنے اعتبار کو بھی اپنے ہی قبضہ میں رکھے گی۔ دن کے وقت صحن میں ایک سیاہ چادر تان کر عورت آپ کو یہ باور کرا دے گی کہ اندھیری رات آ چکی۔ لیکن تاریک ترین شب کو دکھلا کر بھی آپ عورت کا تیقن حاصل نہ کر سکیں گے۔ مرد کو مجبور بنا کر اس کے جذبات سے کھیلنا عورت کا ایک دلچسپ مشغلہ ہے عورت اگر کبھی آپ سے روٹھے گی تو وہ اپنی "تو سے نا ہیں بولوں گی" والی ادا کو سالہا سال تک نباہ لے گی، لیکن جب آپ خود روٹھیں گے تو دوسرے ہی لمحہ میں ——— اس سراپا ناز سے کیوں کر خفا ہو جائیے ——— کہہ اٹھیں گے۔

غرض، عورت کی سازِ فطرت کے اتار چڑھاؤ کو میں کہاں تک بتلاؤں نپولین بوناپارٹ جیسا شخص عورت کی فطرت کو نہ پا سکا ہو ——— اور جس نے آخری وقت یہ الفاظ کہے ہوں۔

میں دنیا میں تین چیزوں کا بھوکا تھا ——— حکومت، دولت اور محبت۔ حکومت مجھے ملی مگر وہ میرا ساتھ نہ دے سکی۔ دولت مجھے مطمئن نہ کر سکی۔ اور محبت، خصوصاً عورت کی محبت کو میں کبھی حاصل نہ کر سکا۔ میں نے جس سے محبت کی اس نے مجھے دغا دی۔ دولت یا حکومت حاصل کرنے کی بجائے کاش میں عورت کی فطرت ہی کو سمجھنے کی کوشش کرتا تو اپنی جنس کی ایک عظیم تر خدمت انجام دیتا۔

(ہسٹری آف دی ہیروز)

اب فرمائیے کیا اپنے "خبط" سے باز نہ آئیے گا؟ خدا آپ کو ہمت عطا کرے، اور خصوصاً مجھے صبر کی توفیق ——— فی امان اللہ

۲۲ر اپریل ۱۹۴۵ء

آزاد قیود رسم ہستی ہوں میں — پابند اصول حق پرستی ہوں میں
ظاہر میں شکستہ حال و دل ہوں لیکن — جو رشک عروج ہے۔ وہ پستی ہوں میں

برادر مکرم و محترم

السلام علیکم۔ گرامی نامہ باصرہ نواز ہوئے کئی دن گذرے،

نادم ہوں کہ بر وقت ادائی جواب سے قاصر رہا۔ عجیب اتفاق ہے ان دنوں کثرتِ کار اور زیادتی افکار کا وہ عالم رہا کہ جو شخص سکون کو موت سے تعبیر کرتا ہو وہ بھی اس ہلچل سے گھبرا گیا، میرا عجیب حال ہے، اپنوں میں بیگانہ ہوں اور بیگانوں میں قطعی اجنبی، پانی میں رہتے ہوئے کنول کی طرح اپنا دامن بچائے ہوئے ہوں، خود کوزہ ہوں خود کوزہ گر اور خود گِل کوزہ۔

گرامی نامہ کو متعدد بار پڑھا، اور خوب لطف اٹھایا، اس لئے نہیں کہ آپ نے میری ستائش کی ہے، صرف اس لئے کہ بلا واسطہ اس طرح آپ نے خود اپنی اچھائیوں کو ظاہر کیا، بات یہ ہے، میں خود کو ایک آئینہ کی مثل سمجھتا ہوں، جس میں ہر شخص اپنا عکس دیکھتا ہے، اگر کوئی مجھے بھلا سمجھتا ہے تو یہ خود اس کی اپنی اچھائی کی دلیل ہے، آپ مجھ سے واقف ہیں، لیکن مجھ میں جو "میں" ہے اس سے واقف نہیں ہیں۔ سرنامہ پر ایک رباعی درج ہے۔ آئیے، اس اجمال کی تفصیل سناؤں اور کچھ اپنا تعارف کراؤں۔

تخلیق انسانی کی نسبت قرآن حمید کے اس اشارہ سے لقد خَلَقْنَا الاِنسَانَ فِی کَبَد۔ میں اس "میں" سے آپ کو متعارف کراؤں گا جو مجھ میں پوشیدہ ہے، میرا ایقان یہ ہے کہ تجسس، تحقیق، کوشش اور جد و جہد لازمۂ حیات ہیں اور ہر منزل اور ہر کام پر رد کاوشیں اس لازمہ کا جزو لاینفک۔ اپنی عجیب فطرت سے مجبور ہوں، ہنگامہ و

ہلچل کو زندگی اور امن وسکون کو موت سمجھتا ہوں، الجھی ہوئی زندگی روح
کو تڑپا دیتی ہے، جی چاہتا ہے کچھ کروں، خطر پسند طبیعت ہے، اور
بقول اقبال "ایسے طبائع کے لئے راستہ جتنا کٹھن اور دشوار ہو اسکے
عبور کرنے میں اتنا ہی حظ حاصل ہوتا ہے۔" انسان کی فطری تخلیق
(آیت بالا کی روشنی میں) ہمیشہ حالت تعمیر سے گذرتی اور اس کی خودی
بہت سی پوشیدہ طاقتوں اور نامعلوم امکانات کا خزینہ ہوتی ہے۔
میرا خیال ہے کہ شہسوار وہ نہیں ہے جو گھوڑے سے کبھی نہ گرا ہو۔
بلکہ وہ ہے جو گرے اور ہنستا ہوا فوراً اٹھ کھڑا ہو۔ جیسے کہ میں نے
اوپر عرض کیا ہے، جدوجہد لازمۂ حیات اور رکاوٹیں اس لازمہ کا
جزوِ لازم۔ اور یہی موانعات یا رکاوٹیں نئی اور پوشیدہ صلاحیتوں
کو سطح پر لے آتی ہیں، اور یہی میرا فطری تقاضا بھی ہے کہ میں خود
کو معرکہ خیز تجربوں میں ڈال دیا کرتا ہوں۔ قرآنی الفاظ میں آدمی
ایک "آزاد شخصیت کا امین ہے" اور یہ شخصیت اسی وقت ابھر سکتی
ہے جب کہ وہ رنج والم، لذت ومسرت اور ہنگامہ وکشمکش سے دوچار
ہوتی رہے۔ نیوز سروس والی تجویز اسی میری خطر پسندی کی بیّن دلیل
ہے، تہی دست ہوں اور تہی دامن۔ پھر بھی ایسے خطرۂ عظیم کو مول
لے رہا ہوں کہ جس میں نقصان مایہ بھی ہے اور شماتت ہمسایہ بھی۔
اس خصوص میں کسی سے طالب اعانت نہیں بنا، ہاں اخلاقی ہمدردی
کے حصول کی کوشش کیا اور کر رہا ہوں۔ اقبال کہتے ہیں ؎

در جہاں بال و پر خویش پریدن آموز | کہ پریدن نتواں با پر و بال دگراں
آتش از نالۂ مرغان حرم گیر و بہ سوز | آشیانے کہ نہادی، بہ نہال دگراں

اپنے "پر و بال" پر اعتماد ہے اور اپنی پوشیدہ صلاحیتوں پر بھروسہ، یقین مانئے میں تقدیر کا قائل نہیں ہوں میرا ذاتی ایقان یہ ہے کہ انسان خود اپنی تقدیر کا معمار ہے۔ میں ان میں سے نہیں ہوں جو خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں کو آزمائے بغیر، اس کے رحم و کرم پر بیٹھ جاتے ہیں، اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

اس طرح آج کل میں ایک کامیاب معمار کی طرح اپنی تقدیر کی عمارت کی تشکیل میں مصروف ہوں، آپ ہی بتلائیے۔ آخر ؏

تلاشِ دانہ درختاں کُنَد تا کے؟

اب میرا یہ عالم ہے کہ بڑی سے بڑی مشکل کو "بیگذرد" کہہ کر ہنستا ہوا ٹال جاتا ہے، درد اس حد تک حد سے گذرا کہ دوا بن گیا، حضرت علی کا یہ ارشاد کہ "اپنی خواہشات سے درگذرو تو دنیا کی راحتیں تمھیں میسر آئیں گی" ہمیشہ میرے پیش نظر رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ ؎

نہ شادی داد سامانی نہ غم آورد نقصانی
بہ پیشِ ہمت ما، ہر چہ آمد، بود مہمانی

نیوز سروس کا خبط ان دنوں پوری طرح مجھ پر چھایا ہوا ہے

اور یہ تہیہ کر کے اٹھا ہوں کہ بہرحال کامیاب ہو کر رہوں گا، پروفیسر محمد دین تاثیر نے آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ابھی حال میں اپنا تازہ کلام نشر فرمایا تھا، ایک غزل کا مقطع یاد رہ گیا، اور خوب کہا ہے کہ ؎

جہادِ زندگی میں یوں بھی اے تاثیر ہوتا ہے
کہ منزل خود لپک کر، کارواں تک جا پہنچتی ہے

دعا فرمایئے کہ رب قدیر مجھے میرے عزائم میں اس حد تک کامیاب فرمائے کہ میں اپنی جدوجہد اور کوشش سے اپنے جیسے دس افراد کے لئے سامانِ مصروفیت پیدا کردوں، بخدا اس کوشش سے میرا منشاء حصول زر، جلب منفعت یا تلاش سکون و آرام ہرگز نہیں ہے۔ صرف جذبۂ خدمت اور اپنی متذکرہ فطری مشکل پسندی نے ایسے بڑے اور پر آلام کام پر مجھے ابھارا ہے، ورنہ گذر بسر کے لئے ع

چوں داغ لالہ سوختہ نانے مرا بس است

کاہل ہوں، جاہل اور بالکل نااہل اور ایسے کھوٹے سکے لے کر بازار میں چلا ہوں۔ بخدا اپنی ساری زندگی میں صرف دو ہستیاں مجھے ایسی نظر آئیں، جن کی نظر میں اس کھوٹے سکہ کی قدر ہوئی۔ ایک نے اس کو اپنا لیا تھا اور دوسرا اس کو پرکھ رہا ہے۔ میرا اشارہ اس بطل حریت کی طرف ہے جو اسلامیان دکن کے حق میں ثانی مسیح سے کم نہ تھا، اور دوسری شخصیت سے میری مراد آپ ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ آپ نے میرے خبط کی داد دی اور پاگل پن کو سراہا ہے عام

طور پر لوگ مجھے دیوانہ کہتے ہیں جو خود کو ایسی ایسی کٹھن آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے۔ خدا کی قسم آپ کی تحریر نے مجھے بہت کچھ ابھار دیا، ایسے بہت سے دوست نظر آئے جنھوں نے میرے حوصلے پست کئے۔ لیکن آپ جیسا کوئی نہ ملا تھا جو کہتا کہ "آگ میں کود جائیے، آپ کی ہمت اور آپ کا استقلال انشاءاللہ اس آگ کو گلزار بنا دے گا"۔ یقین مانئے مجھے ان دوستوں سے نفرت ہے جو بطور ہمدردی آگ اور اس کی تپش سے مجھے ڈراتے ہیں، میں ان "دشمنوں" کو عزیز رکھتا ہوں، جو آگ سے سہما دینے کی بجائے، اس میں کود جانے کی مجھے ترغیب دیتے ہیں، خدائے قدیر کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ "نادان دوستوں" کی اس بھری دنیا میں اس نے مجھے آپ جیسے ایک "دانا دشمن" سے مربوط کر دیا، جن کی زندگی خود بھی مجھے حرکت میں لانے اور مستقل مزاج رہنے کے لئے کافی ہے۔ مصر، لاہور اور ہندوستان کے اور گوشوں میں آپ کے صدہا کتابی شاگرد ہوں گے، مجھے بھی اس فہرست میں شریک فرمائیے کتابی شاگرد نہیں بلکہ اکتسابی شاگرد کی طرح۔ دعا کرتا ہوں خدا مجھے توفیق دے کہ میں اپنی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے آپ کے انتخاب کا پوری طرح اہل بنوں۔

اس طویل تحریر نے غالباً اس "میں" سے آپ کو متعارف کرا دیا ہوگا جو مجھ میں پوشیدہ ہے، اب اور کیا عرض کروں ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم، نہ ثمر نہ سایہ دارم

ہمہ حیرتم کہ دہقاں بہ چہ کار کاشت مارا؟

اپنے نامہ گرامی میں تحریک اخوت اسلامیہ مصر کا بھی آپ نے ذکر فرمایا ہے، بلا شک وشبہہ یہ ایک مفید، اہم اور نہایت ہی ضروری تحریک ہے، میں کسی حال میں بھی رہوں اور کہیں بھی، آپ کی ہر امکانی خدمت کے لئے حاضر رہوں گا، خود تو کسی خدمت کے قابل نہیں ہوں، خدا کرے خدمت گذار کی خدمت ہی مجھے نصیب ہو، یہ سعادت بھی کچھ کم نہیں ہے اگر حاصل ہو جائے، کتنا مبارک خیال ہے آپ کا، اور کس قدر بلند عزم ہے، سارے عالم اسلام میں ایک رابطہ اتحاد پیدا ہو جائے۔

خدا کرے یہ سعی بارور اور آپ کی یہ کوشش کامیاب رہے ؎

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور

ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

اور کیا عجب جو تحریک اخوت اسلامیہ ہی اس "شان" کو منصۂ شہود پر لائے۔

لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ مفید اور اہم تحریک ہندوستان میں کامیاب نہ ہو سکے گی، جہاں بقول اقبال ع

اسلام ہے محبوس مسلمان ہی آزاد

مجھے معلوم ہے کہ آپ نے ہندوستان کے تمام اہم مراکز کا دورہ فرمایا ہے اور مصر کے مقابل ہندی مسلمان کا بھی آپ نے جائزہ لیا ہوگا، کیا آپ نے یہ محسوس نہیں فرمایا کہ یہاں کے مسلمان سے اسلامی روح مٹ

چکی ہے، زبان پر لا الٰہ، لیکن بے معنی۔ جن کے دل و نگاہ مسلمان نہیں کثرت ارباب کی وجہ یہاں مسلم قوم کا ضمیر ہی بدل گیا ہے، سچ مانیے ؎

خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

اب جس جسد میں روح نہ ہو، اس کا حرکت کرنا معلوم! خدا کرے آپ کی تحریک صرف ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ عالم گیر بن جائے۔

اپنے اعلیٰ مقاصد کا مجھے اور عزیز کو ایک ادنیٰ اور بے مایہ مؤید سمجھیے اور بار لائقہ سے ضرور سرفراز کیجیے۔ خدا حافظ و ناصر

خاک آگیں اختر

مولانائے مکرم

سفر حج کا قصد مبارک ہو، رات سے بخار بڑھ گیا ہے ورنہ خدا حافظ کہنے ضرور حاضر ہوتا۔ اب نہ جانے آپ سے کب اور کس طرح ملنا ہو ــــ کب اس لئے کہ میں زندگی سے بے حد مایوس ہو چکا ہوں، کیا عجب جو آپ کی واپسی تک قید حیات سے چھٹکارا پا جاؤں ــــ اور اگر جیتا بھی رہا تو اس وقت آپ سے مل نہ سکوں گا، یوں بھی آپ کی کڑواہٹ میرے لئے ناقابل برداشت رہی ہے ــــ پھر وہاں سے واپسی کے بعد ملنا ــــ گویا ایسے کریلے کو چکھنا ہوگا جو نیم کے درخت سے اتارا گیا ہو۔ چونکہ آپ کی تحریر کا ایک جملہ مجھے کچھ کھٹک رہا تھا، اس لئے قصد ہوا کہ لاؤ بہ سبیل مبارکباد اس کھٹک کو ابھی دور

کرلوں، اس سے قبل کہ "کڑواہٹ" دوآتشہ بن جائے، بُرا نہ مانئے تو اس جملہ کو یہاں لکھ دوں، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ——— "..... زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے قطعی ارادہ کرچکا ہوں کہ اس سال حج سے فارغ ہو آؤں، تاکہ مرنے سے پہلے گناہ کا بوجھ ہلکا ہوجائے ———" تحریر گرامی کے اس آخری ٹکڑے سے مجھے اختلاف ہے، ——— اختلاف کیا، یوں سمجھئے کہ اپنی جہالت کا اعتراف ہے، مطلب کی اصل تک رسائی نہ ہوسکی، اس لئے آپ سے مدد کا طالب بن رہا ہوں۔

برادران ہنود کا عقیدہ ہے کہ جو پاپی گنگا کے پوتر جل میں اشنان کرلے، اس کے تمام پاپ دھل جاتے ہیں"۔ آپ فرماتے ہیں حج کو جاکر "گناہ کے بوجھ کو ہلکا" کرلوں گا، تو کیا چاہ زمزم میں غوطہ لگائیے گا؟ لیکن اس کی ضمانت کیا کہ اس "پوتر جل کا اشنان" آپ کے گناہوں کو دھو دے گا، تہذیب، معاشرت، رسم ورواج اور مذہبی ثقاہت پر اوس پڑ چکی تھی کہ اب عقائد بھی ملتے جلتے ہوئے جارہے ہیں۔

مولانا۔ اسلام اتنا مضحکہ خیز دین ہرگز نہیں، جتنا کہ آپ جیسے اس کو بنا کر پیش کرتے ہیں۔ سنگ اسود کو بوسہ دینے، احرام باندھنے چاہ زمزم میں غوطہ لگانے اور اس طرح اپنے "گناہوں کا بوجھ ہلکا" کرنے کا نام آپ نے حج رکھا ہے، ورآنحالیکہ دنیا کی اس عظیم تر اجتماع کا مقصد ومنشا ہی اور ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اتنا طول طویل

سفر اختیار کرنے اور اس قدر زحمتِ سفر برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب آپ کو اپنی نیت پر اعتماد ہے، دل میں خلوص ہے اور "گناہ بخشوا لینے کی امنگ"، تو وہ ساری چیزیں یہاں بھی مہیا ہو سکتی ہیں۔ اس کے قطع نظر آپ کے خیال پر اگر اعتماد کر لیا جائے تو یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ خدا صرف انھیں کو جنت میں داخل کرے گا، جنھوں نے فریضۂ حج سے فراغت حاصل کر لی ہو، اور بقیہ سب حوالۂ جہنم ہوں گے، یہ قدرت نہ ہوئی کھیل ہوا۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ حضرات اسلام، بانیٔ اسلام، اور خود خدا کی جناب میں کیسی کیسی گستاخیاں کرتے رہتے ہیں، مگر کوئی ٹوکتا نہیں۔ اب میں اگر کچھ کہوں تو گنہگار، منکرِ خدا اور کافر۔ ایک عیسائی مبلغ نے کہا تھا کہ ——— اس صدی کے مسلمان مذہب کی روح کو چھوڑ کر اس کی ہڈیاں جھنجوڑنے لگے ہیں ——— یہاں لفظ مذہب کو فرائض و شعائرِ مذہبی قرار دیجیے اور اس کی روشنی میں اپنے نادر عقائد کو جانچیے تو معلوم ہوگا کہ معترضین ہم پر اعتراض کرنے اور ہمارا مذاق اڑانے میں کہاں تک حق بجانب ہیں۔

حج کو سدھارنے سے پہلے سوچیے اور غور کیجیے اسلام نے اس رکن کو دوسرے فرائض کے ساتھ کیوں منسلک کیا۔ میری ناقص رائے میں حج کا تعلق دین سے اتنا زیادہ نہیں جتنا اس کا دنیا سے ہے۔ حج کی اصل روح میرے خیال میں ایک برادرِ مومن کا دوسرے برادرِ مومن سے ملنا اور آپس میں رشتۂ اخوت و اتحاد پیدا کرنا ہے۔ حج سے قطع نظر نماز کو دیکھیے جہاں یہ

ارشاد ہوا کہ گھر کے اندر کی نماز سے بہتر صحن کی نماز اور صحن کی نماز سے افضل مسجد کی نماز ہے۔ شاید آپ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ نماز باجماعت کی بڑی تاکید آئی ہے یعنے دن میں پانچ وقت، اس طرح آپ محلہ کے دینی بھائیوں سے ملتے اور ان کے بھلے اور بُرے کے شریک ہو سکتے، اِن سے ربط و تعلق پیدا کر سکتے، اور اخوت و اتحاد کا رشتہ جوڑ سکتے ہیں۔ جمعہ کو قریب کی بڑی مسجد، اور عیدین میں شہر کے بڑے میدان (عیدگاہ) کی تاکید میں بھی یہی خصوصیت پوشیدہ ہے۔ یہ اجتماعات روزانہ، ہفتہ واری، اور سالانہ ہوئے، ضرورت تھی کہ ایک شہر کے کلمہ گو کو دوسرے شہر کے کلمہ گو سے، ایک ملک کے مسلمان کو دوسرے ملک کے مسلمان سے جوڑا جائے۔ تو حج اس ضرورت کو بہ احسن رفع کرتا ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ اور زمین کے ہر خطّہ سے مسلمان جمع ہوتے اور یہ ثابت کر دکھاتے ہیں کہ مسلمان کرۂ ارضی کے کسی حصہ پر کیوں نہ ہو وہ کسی نہ کسی وقت ایک مرکز پر جمع ہو جاتا ہے۔ میری اس توضیح کے بعد غور فرمائیے کہ اس عظیم الشان اجتماعِ فرض کا اِس کے سوا کیا کوئی اور منشاء ہو سکتا ہے۔ دنیوی ثواب یا اجر کی بشارت آپ حضرات دیتے آئے ہیں۔ خیر وہ جو کچھ ہو گا، مگر دنیاوی فوائد بے شمار و بے حساب ہیں،

اتنی تشریح کے بعد بھی اگر آپ اسی فرسودہ اور بیہودہ عقیدے پر قائم رہیں کہ حج صرف گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے فرض کیا گیا تو میں ادباً التماس کروں گا کہ للّٰہ اپنا ارادہ ملتوی فرمائیے۔

اور وہ رقم جو اس سفر میں خرچ ہوگی، بیواؤں کی دیکھ بھال یتیموں کی پرورش اور معذوروں کے خورد نوش پر صرف فرمایئے اور یقین رکھئے کہ اس کا ثواب حقیقت میں آپ کو بہت زیادہ ملے گا ــــــــ کیونکہ لَا یُؤمِنُ احدکم حتیٰ یحبّ بجارہٖ مایحبّ لِنفسِہٖ، اب اور کیا عرض کروں، سوا اس دعا کے۔

بہ سفر رفتنت مبارک باد
بہ سلامت روی و باز آئی

خدا حافظ و ناصر

برادر مکرّم

آپ کا کرم نامہ جو ۵ ر اگست کا مرقومہ تھا، مجھے ۷ ر اگست کو ملا، جس کا جواب آج یعنی ۲۴ کو دے رہا ہوں جب خط اتنا "لیٹ" ہوکر پہنچا تو جواب بھی کیوں نہ تھوڑا "سستا" لے؟ مگر نہیں یہ تو مذاق تھا، کچھ وجوہات ایسی در پیش رہیں کہ دیری ہوگئی، اب وجہ تاخیر بیان کرنا چوں کہ اور تاخیر کا باعث ہوگا۔ اس لئے صرف معذرت پر اکتفا کرتا ہوں۔

تذکرہ سخنورانِ دکن مجھے تحفۃً ملا تھا جو میں نے اپنی "روح حیات" کو ہدیۃً بھیج دیا ہے آپ کی فرمائش مکتبہ سے پوری ہو جائے گی، آج بازار سے آتے ہوئے "تین پیسے کی چھوکری" خرید لایا۔ چھوکری ہے

خدا ــــــــ وہ بھی صرف تین پیسے کی! لیکن ہے بڑی طرار، بلا کی شوخ
عمر طبیعی نصیب کرے۔ راستہ میں ایسی ایسی میٹھی باتیں کرتی رہی کہ گھر پہنچکر
دوسرے کام الگ رکھا اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ زبان میں "لکنت" ہے
پھر بھی یہ تتلا پن دلچسپی سے خالی نہیں۔ غریب کی قسمت پھوٹی جو بازار آکر
تین پیسے کو بکنے لگی۔ لعل و گہر اس پر نچھاور ہوتے اگر وہ یوں "منظر عام پر
نکلو سکنے کی بجائے مخصوص خلوتوں میں ایک بلند نشین حسن فروش" بن بیٹھتی
میرا دعویٰ ہے کہ یہ جلد ہی "دلوں کی مالک آنکھوں کا تارا کلیجوں کی ٹھنڈک
اور گھروں کا چراغ" بن جاتی، اور آپ بھی اس کو کسی "ساحل پر ایک
ہجوم عاشقاں کے ساتھ چہل پہل کرتے" دیکھ لیتے۔ لیکن اب کہ یہ
سر بازار آگئی اور "تین پیسے کی چھوکری" قرار پائی تو جس طرح "عینک
اپنے خانہ کے اندر ملفوف" ہو جاتی ہے، ویسے ہی یہ بھی کسی جھونپڑی
میں گزر بسر کرے گی!

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

فراموش کار من!

کرم فرمائی ٹھیک ایسے وقت ہوئی ہے جب میں آپ سے قطعی
مایوس ہو چکا تھا، مگر اب کہ کفر ٹوٹا، ہدیہ تشکر قبول فرمائیے۔

لاگ ہو تو اس کو ہی ایک طرح کا لگاؤ سمجھ کر دل کو تسکین دے لوں، اور
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھاؤں کیا؟

یہ طریقہ آپ نے خوب نکالا کہ میرے شکایت کرنے سے پہلے آپ نے خود ہی شکوہ کے دفتر الٹ کر رکھ دیئے۔ نظر بندی تو مشہور تھی مگر یہ "زبان بندی" کا گر عجیب رہا۔ اب کوئی کیا شکایت کرے۔

جی ہاں! کئی دنوں سے بخار آرہا تھا۔ لیکن اب شاید کوئی شکایت نہ رہے، کہ آپ نے پوچھا ہے۔۔۔؟

رہتی کوئی دن اور تمنائے عیادت
اے کاش علاجِ دلِ بیمار نہ ہوتا

ہمشیرہ مکرمہ!
السلام علیکم۔

میرا آج کا موضوع ہے "جھوٹ" ہنسی کی طرح اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، اور ہر قسم کی بے شمار شاخیں۔ بعض جھوٹ بننے یا بنانے کے ہوتے ہیں، بعض ماننے یا منانے اور منوانے کے بھی۔ بعض نفع پہنچانے یا اٹھانے کے ہوتے ہیں۔ اکثر آدمی جھوٹ سے اپنا بچاؤ کرتے اور دوسرے کو مبتلائے آلام کر دیتے ہیں، اور شاذ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود مبتلائے آلام ہو کر، دوسرے کے بچاؤ کا سامان کرتے ہیں۔ جھوٹ کی ایک قسم طنزیہ ہے اور ایک مزاحیہ ایک نہایت بُرے قسم کا وہ جھوٹ ہے، جو شر آمیز یا فتنہ انگیز ہے، ایک جھوٹ وہ بھی ہے جب (کوئی) مبتلائے فریب ہو کر، یا فریب میں مبتلا کرنے

کے لئے کہا جائے۔ قواعد آپ نے پڑھی ہے نا ــــــ جس طرح قواعد میں
اصل اور اس کی کئی شاخیں ہوتی ہیں ایسے اصل جھوٹ ہے اور اس
کی دو اہم شاخیں ــــــ

دروغ

دروغ مصلحت | دروغ غیر مصلحت
محدود | لامحدود

یہ کذب، جھوٹ یا دروغ کی گرامر (قواعد) کا ایک مختصر نقشہ ہے
دروغ مصلحت تو محدود ہے البتہ غیر مصلحت کی وہ ساری شاخیں ہیں یا
جو میں نے اوپر بیان کئے، اب ان شاخوں کی بھی ان گنت قسمیں ہیں۔
جنھیں گنواؤں تو یہ تحریر واقعی "مبالغہ آمیز" بن جائے گی۔ اس لئے
مصلحت اسی میں ہے کہ غیر مصلحت کو ادھورا چھوڑتا ہوا، اصل یعنی
دروغ کی طرف پلٹوں، اس فن شریف یا صنعت لطیف کی ابتدا کب سے
اور کیسے ہوئی ــــــ بیان کرنا ذرا مشکل ہے۔ اس لئے کہ آدمیت
کی تاریخ کا کوئی ورق اس سے خالی نہیں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ ــــ
اس کی ابتدا "آدم" سے ہے، میں یہ نہیں مانوں گا، اس لئے کہ آدم
انسان تھے۔ وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتے، ہاں ان سے خطا اور بھول ضرور
ضرور ہوئی۔ اگر وہ جھوٹ کہتے تو شاید جنت سے نہ نکلتے۔ غلطی ہوئی،
وہ نسلِ انسانی کی بنیاد تھے اور اعتراف فطرت انسانی کا جزو اہم تھا

انھوں نے خطا کو مان لیا، سزا ملی، سر تسلیم خم کیا ــــــ سزا کے طور پر جنت سے نکالے گئے، اور اس جنت کو چھوڑ کر دنیائی جنت میں آن بسے سزا تو ان بیچاروں کو کیا بھگتنی پڑی ہوگی، البتہ ان کی اولاد "تا ایندم" بلکہ "تا آں دم" یعنی روز آخر ــــــ جب تک کہ جزو کا کل سے، اور کل کا جزو سے تعلق ہے ــــــ بھگتے گی۔ کہنا یہ تھا کہ آدم نے جھوٹ نہ کہا، لیکن ظاہر ہے بغیر خالق کے کسی چیز کی تخلیق ہی ممکن نہیں تو لازم ہوا کہ یہ صفت جو آج ہم کو ہر چہار طرف سے لپٹی ہوئی ہے، یہ صنعت اولادِ آدم ہی ہوگی۔ اس کا موجد، خالق یا صانع کون ہوگا، عرض کر چکا ہوں، مجھے نہیں معلوم، البتہ اس کو ہمارے روزمرہ میں داخل کرنے والے ہمارے اجداد کے غیر شعوری ادراک اور نا سمجھی عقول ہیں، جس کی بدولت مذہب وضع ہوا۔ سماج آنکھیں دکھانے لگا، اور سب سے آخر قانون و سیاست گردن مروڑنے ہم پر مسلط ہوگئی ان کی تفصیل شاید کہیں آگے آجائے۔ اب روزمرہ کی طرف پلٹتا ہوں "ماں کی گود" بچہ کی اولین درس گاہ ہے" یا "جو ہاتھ جھولا جھلاتا ہے، وہی دنیا پر حکومت کرتا ہے" یہ دو بڑے مشہور، عام اور بہت اہم مقولے ہیں۔ جو آپ نے بھی سنے ہوں گے۔ اب آئیے ماں کی گود کے بچہ کا جائزہ لیں ــــــ گو وہ اولادِ آدم ہے مگر فطرتِ انسانی کا حامل، انتہائی معصوم اور قطعی فرشتہ صفت، غوں غاں کا دور کوئی اہم تو نہیں، مگر غضب ہے کہ اسی غوغائی دور میں اسی معصومیت

کے زمانے میں، ہر رونے، سونے، اور پینے کے بارے میں جھوٹ کا گھونٹ شریک ہوتا ہے۔ مثلاً بچہ رو رہا ہے، ماں اس کو پیار کرتی ہے سمجھاتی، مناتی ہے، نہ مانے تو کہتی ہے ـــــــ دیکھو بی شادی آ رہی ہیں ـــــــ بچہ نہیں سونا چاہتا یا سونے سے قبل مچل جاتا ہے تو یہ معلم اول یعنے ماں، اس کو محض سلانے کے لئے کہتی ہے کہ ـــــــ سو جاؤ ورنہ برفی خالہ آتی ہیں ـــــــ واقعہ یہ ہے کہ نہ تو کسی شادی بی صاحبہ کا وجود ہے اور نہ ہی ان محترم والدہ کی کوئی ہمشیر ہوتی ہیں۔ جن کا اسم گرامی برفی خاتون ہو، یہ محض فرضی بات یا جھوٹ ہوتا ہے دوا یا دودھ کے پینے سے بچہ نے انکار کیا، ماں نے کہا ـــــــ پی لو تو مٹھائی دوں گی ـــــــ لطف یہ کہ دوا پی چکنے کے بعد کوئی مٹھائی نہیں دی جاتی۔ بچپن میں ماں کی اس طفل تسلی سے بچہ میں دو اہم برائیاں پیدا ہوتی ہیں، اول تو وہ حریص، لالچی اور طامع بن جاتا ہے دوم یہ کہ اسی زمانے سے ڈر اور خوف کا رجحان اس میں پرورش پانے لگتا ہے ـــــــ مجھے ہی دیکھیے نا، شاید بچپن میں کچھ ایسا ہی خوف دلایا گیا کہ آج تک ”بی شادی“ سے میں ڈرتا ہوں ـــــــ یہ ایک جملۂ اضافی تھا، میں عرض کر رہا تھا کہ ان دو بنیادی برائیوں پر اور بہت سی برائیوں کی عمارت دھیرے دھیرے تعمیر ہوتی ہے، اور ماں کی گود کا وہ معصوم فرشتہ صفت انسان آدمی بن کر اس عمارت میں پناہ لینے لگتا، اور انسانی دنیا اس سے پناہ مانگتی ہے۔

جھوٹ کے مختلف دور ہیں، مختلف منازل، مراحل اور نام ہیں۔ ان کو بھی سن لیجئے۔ ماں جو بچہ سے جھوٹ بولتی ہے اس کا نام کبھی پیار ہوتا اور کبھی طفل تسلی۔ بچے جب اس گہوارہ اور ایسی گود سے نکلتے ہیں۔ تو اس صفت سے پوری طرح متصّف ہو کر ہی نکلتے ہیں۔ ماں کا پیار یا طفل تسلی اکثر الٹا اثر کرتی اور وہ اپنے والدین سے جھوٹ بولنے لگتے ہیں، جو عرف عام میں طفلانہ خوف کہلاتا ہے۔ درس گاہ اول سے نکلے، درس گاہِ ثانی میں داخل ہوئے۔ وہاں اگر کوئی مولوی صاحب ملے تو پھر جھوٹ کی انتہا نہ رہی۔ اگر کوئی ماسٹر صاحب سے سابقہ پڑا تو حاضری، شرارت یا اسباق کے معاملے میں بے دریغ جھوٹ صرف ہونے لگا، خود جناب استاد بھی ——— آخر استاد ہی تو ٹھیرے ——— وہ بھی جھوٹ کہتے ہیں اور بڑا ادق اور ناقابل فہم قسم کا۔ اس کا نام لوگوں نے تادیب یا تربیت رکھ لیا، مدرسہ سے دوستی کے زمانے کا آغاز ہوا، یہ بننے یا بنانے کا دور ہوتا ہے، جھوٹ یہاں بھی چلتی ہے اور مذاق کے نام سے، مدرسہ سے کالج آئے اور اپنے گہوارہ کا سرمایہ بھی ساتھ لائے، جیسے جیسے صاحب شعور و سمجھ ہوئے اس صفت کو بھی کافی جِلا ملتی گئی۔ یہاں ایک بڑا لطیف مگر بالکل ہی مختصر دور ماننے، منانے یا منوانے کا گذرتا ہے۔ کالج کی جھوٹ، معاذ اللہ ——— بڑی عجیب، عجیب تر اور بے پناہ ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ شعوری زمانہ کہلاتا ہے مگر میں اس کو، "دور انحطاطِ شعوری" سے

تعبیر کر دوں گا۔ اس لئے کہ اس دور مختصر کے بعد جھوٹ اپنی ساری لذت اور لطافت ضائع کر دیتا ہے، اور جھوٹ کہنے والا، اس دور کے بعد، اس طرح محظوظ نہیں ہوتا، کیوں کہ کالج سے نکلے اور دو پاؤں دو دو ہلیز پر پڑے —— ایک معاشرت کی، دوسرے معیشت کی۔ یہ دونوں مقام اپنی جگہ انتہائی اور وہ بھی بڑے معیاری جھوٹ کے طالب ہیں، معاشرت حاضرہ کا کوئی پہلو اس سے بچا نہیں۔ اور معیشت تو، اس میں بھی بڑی شدت آگئی ہے، خوشامد غلط تعریف، توصیف اور جی حضوری، کیا بتلاؤں کہ پیٹ کے بندوں نے اس ملک میں کیسے کیسے موتی پرو رکھے ہیں۔

یہاں تک تو کسی دوپایہ کا ذکر تھا، اب کوئی بندۂ خدا اگر "چوپایہ" بن گیا تو پھر شامت ہی آگئی۔ وہ بندۂ خدا بدقسمتی سے اگر انسان ہے، اور رشتہ کسی (Eve of the day) حوا کی بیٹی) سے ہوا تو بس، ہاتھ میں تسبیح، کاندھے پر مصلّے اور رباقی اللہ اللہ —— اگر کوئی آدمی چوپایہ بنا تو اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا اور اوڑھنا بچھونا، حتیٰ کہ اس کا وجود ہی محض "جھوٹ" بن کر رہ جاتا ہے۔

یہ اتنا عجیب موضوع اور اس قدر ہمہ گیر بلکہ عالم گیر ہے کہ آج کی دنیا کا سارا مدار اسی پر ہے، راعی اپنی رعایا سے جھوٹ کہتا ہے، اور رعایا حکومت کو جھانسے دیتی ہے، اول الذکر کا نام (Diplomacy

اور ثانی الذکر کو مصلحت اور کبھی مجبوری سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن جھوٹ ہے بڑی دلچسپ چیز، جس کے لئے بڑے سلیقے کی ضرورت ہے، کسی ملک یا کسی علم کے لٹریچر کو ادھورا سمجھنا چاہیے اگر یہ کسی نوعیت سے سہی، اس میں موجود نہ ہو۔ چیز ایک، نام مختلف، جھوٹ تو فی زمانہ ایک آرٹ بن گیا ہے۔ آپ نے بھی سنا ہوگا، یورپ کے بعض ممالک کے قطع نظر، خود ہندوستان کے شہر کراچی سے ایک اطلاع آئی تھی کہ وہاں "جھوٹوں کا ایک کلب" قائم ہوا ہے صدر وہ قرار پاتا جو سب سے زیادہ سفید اور بالکل اجلا جھوٹ تراشتا۔

اب جھوٹ کے مختلف پہلو سے قطع نظر میں دروغ مصلحت کا ذکر کروں گا۔ "دروغ غیر مصلحت" جتنا آسان ہے یہ اس سے کہیں زیادہ مشکل۔ اس سے عموماً اور اکثر دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے، اور اس سے بسا اوقات بلکہ ہمیشہ ہی، مصلحت بین شخص کو نقصان پہنچتا ہے۔ جسمانی بھی اور روحانی بھی ——— میں اپنی ہی مثال دوں گا "دروغ غیر مصلحت" کا میں سخت مخالف ہوں، خدا کا شکر ہے کہ ایسے کسی دھبہ سے میرا پیراہن حیات بالکل پاک ہے اور اتنا پاک کہ اگر

——— دامن نچوڑ دوں تو فرشتے وضو کریں۔

میرا باطن آئینہ کی طرح ظاہر ہے، میں یقین دلا سکتا ہوں کہ آج تک دانستہ طور پر، ایسا جھوٹ میں نے کبھی نہیں کہا جس سے میری غرض اپنا نفع یا دوسرے کا نقصان ہو۔ ہاں دروغ مصلحت کو میں جائز

اور ضروری سمجھتا ہوں۔ خصوصاً جب وہ بقول ــــــــ "بہ از راستی فتنہ انگیز" ہے۔ میری اس المناک زندگی میں دو مقام ایسے آئے جہاں دروغ مصلحت کی رسّی سے، دوسرے کی کشتی کو، جو بھنور میں پھنسی یا پھنس رہی تھی، میں نے بچالیا اور خود مجھے دلدل میں پھنسنا پڑا۔ گوارا ہوا۔ بظاہر یہ میری شکست اور حقیقت میں یہی میری فتح تھی، کسی کو بھنور میں، پھنسانا، یا کسی کی "کشتیٔ رواں" کو الٹ دینا کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ خود ڈوب کر دوسرے کو بچالیں۔ دو اس نوع کے حادثات میری زندگی کا سرمایہ اور (میری دانست میں) میرے ایثار کی مثال ہیں۔ کوئی لوٹ کر فخر کرتا ہے اور کوئی لٹا کر خوش ہوتا ہے۔

"چترلیکھا" فلم میں اس ٹکڑے کو بڑے ہی لطیف اور خالص نفسیاتی طور پر پیش کیا گیا تھا، فلم تو آپ نے دیکھا تھا نا، کہئے یاد ہے؟

میں سمجھتا ہوں ہر وہ فعل، عمل یا حرکت جو دوسرے کو نفع پہنچانے یا کسی کو نقصان سے بچانے کی خاطر اختیار کی جائے، احسن ہے چاہے وہ عمل یا فعل دنیا، مذہب یا سماج کی نظر میں کچھ ہو۔ ضمیر کا سکون سب سے بڑا، اور قیمتی معاوضہ ہے۔ میرا ضمیر مجھے خراج تحسین ادا کرتا ہے، بس یہی کافی ہے۔

دروغ غیر مصلحت کے ضمن میں نبٹنے کی ایک مثال یاد آگئی، ایک شادی شدہ خاتون سرکاری طور پر بہ غرض حصول تعلیم جب ہندوستان سے

باہر گئیں تو یہ انکا پہلا سفر، اور نئی دنیا سے پہلا تعارف تھا۔ سفر کے تاثرات اور نئے ملاقاتیوں کے حالات مرحومہ نے اپنے شوہر کو لکھ بھیجے کہیں مصروفیات کا بھی ذکر آگیا، جس میں انھوں نے بتلایا کہ موسمی حالت ٹھیک نہ ہونے سے تفریح کے لئے نکلنا دشوار ہے، زیادہ وقت اپنی قیام گاہ میں بسر ہوتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے لکھا کہ

I love in-door games, and

I love Ping-pong, most. —

موصوفہ کے شوہر سارے شہر میں تقریباً پاگل مشہور ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ "بنے" ہوئے اتنے نہیں ہیں جتنے کہ "بنتے" ہیں اور یہی بننا یہاں کی Fools paradise میں ان کو اعلیٰ تر مقام پر پہنچایا، ایک اعلیٰ عہدہ کی "طوق زریں" انکے گلے میں نہ پڑتی اگر وہ نہ بنتے —— ہاں، تو ہوا یہ کہ جیسے ہی خط آیا بننے اور ایک مخصوص دربار میں زیادہ رسائی پانے کا گویا حیلہ ہاتھ آگیا۔ وہ خط لے کر ناظم صاحب تعلیمات کے پاس دوڑے اور کہنے لگے میری مخالفت کے باوجود آپ کے محکمہ نے ان کو (اپنی بیوی کو) باہر بھیج دیا اب یہ دیکھیئے وہ وہاں کیا کر رہی ہیں، چنانچہ انھوں نے خط کے مذکورۂ بالا جملہ کو پڑھ کر سنایا۔ ناظم تعلیمات پریشان کہ اس میں ایسی کونسی بری بات ہے، آپ فرماتے ہیں، جی بری بات نہیں تو کیا۔ کون شریف مرد اس کو گوارا کرے گا۔ وہ خود صاف لکھتی ہیں کہ میں گھر میں جنمیں کو

چاہتی ہوں، اور مسٹر ہنگ یانگ کو اس سے کہیں بڑھ کر، گو ایک عیسائی دوسرا چینی ــــــ اس کو کون گوارا کرے گا؟

یہ آدمی بڑے چالاک اور مطلب کے پورے ہیں ناظم صاحب تعلیمات سمجھانے کے باوجود کہ وہ لفظ گیمیس ہے اور دوسرا چینی آدمی نہیں بلکہ ایک گھریلو کھیل کا نام ــــــ انھوں نے اس ننبنے کی خوب تشہیر کی ــــــ حتیٰ کہ دربار خاص تک بات پہنچی، یاد ہوئی، پاگل پن کی کچھ داد ملی، کچھ مذاق اڑا، ایک ہفتہ بعد (مار) کا اسپیشل الاؤنس مل گیا۔

معاف کیجئے ــــــ لطیف بود حکایت دراز تر گفتیم کے مصداق میں لکھتا ہی چلا گیا۔ اور اب بھی نہیں تھکا ہوں پڑھتے ہوئے شاید آپ تھک جائیں، اس لئے اب اسی پر رخصت ــــــ خدا حافظ۔

خاک نشیں۔ آپ کا بھائی اختر قریشی

ہمشیرہ مکرمہ۔

یہ لفظ "درشن" آپ نے استعمال تو کیا، مگر اس کی لطافت میں محسوس کر رہا ہوں، کتنا رنگین اور لطیف لفظ ہے یہ۔ ہندی زبان ہے تو بڑی میٹھی، مگر اس میں اتنی شیرینی ہوتی ہے۔ اس کا مجھے آج اندازہ ہوا۔ شاید آپ کے استعمال نے اس میں لطافت پیدا کی ہو

جی ہاں! کل حاضری دوں گا اور ــــــ آپ ہی کی زبان میں ــــــ درشن کے لئے ــــــ

کل صبح تک کے لئے خدا حافظ

آپ کا

خاک نشیں، اختر قریشی

عزیز من!

تمہارے خط سے تمہارا کشمیر جانا معلوم ہوا ورنہ میں تو یہی سمجھ رہا تھا۔ کہ تم پھر خفا ہو بیٹھے شکر ہے جو گمان غلط نکلا، اور تمہاری عافیت سے مسرت ہوئی۔

وہاں کی نظر فریبیوں اور دلچسپیوں کا جن الفاظ میں اظہار ہوا ہے وہی اس خطۂ رنگ و بو میں مجھے اڑائے جانے کو کافی تھے کہ تم نے کشمیر آنے کی دعوت بھی دی ــــــ ایک تو تم تمام کی معیت دوسرے سرزمین جنت نظیر ــــــ صرف یہ خیال ہی مجھے ہلاک کئے دے رہا ہے اگر واقعی پہنچ سکتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔ کیف و سرور کے ایسے چند ہی لمحے کاش میرے مقدر ہوتے۔

پچھلے کسی خط میں تم نے اصرار کیا تھا ــــــ اور آج یوں بھی جی چاہتا ہے کہ کسی کو ہمراز بنالوں، اس لئے آؤ ما اپنی زندگی کی الجھنوں سے تمہیں آشنا کرادوں

کیوں کہ محبت میں اسی وقت تک "رومانیت" باقی رہتی ہے جب تک کہ "محبوب" پردہ میں رہے۔

سنو! پروازِ زندگی کی اٹھارویں منزل تمام ہو رہی تھی کہ ایک نہایت دلفریب اور خوش نما چمن سے میرا گزر ہوا، طبیعت میں "جہل" تھی اور مزاج میں "الہڑپن" سفر کی تکان دور کرنے کے لئے وہاں کچھ دیر ٹھیرا، تقدیر دیکھئے ؎

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

گرفتاری کی گرانی کو گھٹانے کے لئے ننھی ننھی کلیوں سے دل بہلا رہا تھا، لیکن اندر ہی اندر کہیں چوری ہو رہی تھی، صیاد جال بچھائے گھات میں بیٹھا تھا، کہ ایک روز اچانک "بجلی" چمکی، اتنی تیز کہ آنکھوں کی روشنی زائل ہوگئی، بقول حسرت ؎

اک برق مضطرب تھی، اک سحر بیقرار
کچھ پوچھئے نہ وہ نگہ فتنہ زا تھی کیا

ایک "نور" تھا کہ آنکھوں کی راہ سے دل میں اتر کر سارے جسم میں وہ آگ لگا دیا، جس کا نام شاید محبت ہے۔ اس "حادثہ" کو گذرے آٹھ سال ہوئے، بس جب ہی سے میں نے اس دنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر اپنی ایک نئی دنیا بسالی ہے۔ الہڑپن کی کچھ سزا ملنی چاہئے تھی چنانچہ پاؤں میں "بیڑی" پڑی، اس کو ناکافی سمجھا گیا اور کوئی چار سال

ہوئے کہ "صیاد" نے ہاتھوں میں "ہتھکڑی" بھی پہنادی۔ "پلے لنگ" تو نصیب ہوا ہی تھا کہ ملک خدا کو الگ تنگ کر دیا گیا۔ اب تن بہ ظاہر آزاد ہے مگر روح جکڑی ہوئی، پھر بتلاؤ تمہاری دعوت کو کیسے قبول کروں، یا کہیں کس طرح جاؤں، اور اگر جاؤں تو وہ روحانی سکون کیسے پاؤں جو یہاں متیسر ہے یہ "لطیف مجبوری" بعض وقت بڑا لطف دیتی ہے مختار رہ کر مجبور بننا ——— قادر ہو کر بے بس رہنا، بڑے دل گردے کا کام ہے اور اس میں ایک ایسا روحانی سرور حاصل ہوتا ہے، جس سے "دل والے" ہی مسرور ہو سکتے ہیں، تم ان باتوں کو کیا جانو، حافظ نے کیا خوب کہا ہے ؎

تو لذتِ عشق و عاشقی کے دانی

ایں بادہ کسے خورد کہ ذوقے دارد

غرض یہ ہے میری زندگی کے "حال" کا مختصر احوال، اب اور کیا لکھوں، بجز اس دعا کے، کہ خدا تمہیں صحت و عافیت کے ساتھ وطن واپس کرے، کب تک وہاں قیام رہے گا، جتنے دن بھی رہو، اپنے پُر کیف لمحات کا تذکرہ ضرور کرتے رہنا، وہی میری مسرت کا باعث بن جائیں گے، نکہتِ گُل بھی بلبل کے لئے غنیمت ہے اگر وہ گُل و گلستاں تک نہ پہنچ سکے۔ خدا حافظ

یہ خط بیگم اختر قریشی صاحبہ (اہلیہ مصنف) نے بیگم مولوی محمد علی صاحب لکچرار سٹی کالج (حیدرآباد) کے نام جن کے یہاں جناب حسن الاعظمی صاحب ازہری قیام گزین تھے تحریک اخوۃ اسلامیہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

فطرت مسلم سراپا شفقت است | در جہاں دست و زبانش رحمت است
کل مومن اخوۃ اندر دلش | حریت سرمایۂ آب و گلش

معززہ و مکرم بہن۔ اسلام علیکم

سنتی ہوں کہ آپ کے گھر پر پردے کے خلاف خوب زوردار "سازشیں" ہوتی رہتی ہیں؟ کیا یہ سچ ہے؟ اچھا بتلائیے اس بارہ میں خود آپ کا عمل اور آپ کی رائے کیا ہے؟ قریشی صاحب گوشہ کے سخت مخالف ہیں، دل کی بھڑاس نکالنے کا انھیں وہاں اچھا موقعہ ملتا ہوگا، اس بارے میں یہ بڑے باغی ہیں، دو ایک مرتبہ انھوں نے بغاوت کا عملی ثبوت بھی دیا۔ لیکن کبھی کبھی ہتیار بھی ڈال دیتے ہیں۔

آئیے ایک لطیفہ سناؤں۔

ناگپور سے صدیقی صاحب جب حیدرآباد آئے تو ان کو گھر بلایا گیا تھا، مقام مسرت ہے کہ اس روز بھائی اعظمی صاحب بھی آگئے تھے صدیقی صاحب کو سلام علیک کرنے کی مسرت مجھے حاصل رہی کہ وہ بھوپالی اور "علیگ" تھے، البتہ اعظمی صاحب سے قریشی صاحب ذرا ٹھٹک گئے۔ اس لئے کہ وہ مصری اور ازہری ٹھیرے، چوں کہ

مقامی علماء سے وہ بھڑ چکے ہیں، اس لئے یہ مثل صادق آگئی کہ "دودھ کا جلا چھاچ کو پھونک کر پیتا ہے" عربی یونیورسٹی کے عالم کا رعب اُن پر چھا گیا اور ایسی "مصری" کے اندر کی (انکی) خیالی کڑواہٹ نے انھیں ٹھٹکا دیا۔ مرعوب از، ہر عالم، اس عالم از ہر سے بھی مرعوب ہو گئے۔ وہ شاید پہلی ملاقات تھی، اب جیسے جیسے ربط بڑھ رہا ہے، مجھے ان سے فتویٰ لاکر دینے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ دیکھیئے یہ ہیں ہمارے سماج سدھار اور سماج کے باغی۔

اچھا بہن۔ میں خود ارادہ کر رہی تھی کہ بھائی اعظمی صاحب کو مخاطب کروں، اب آپ کی وساطت سے فائدہ اٹھاؤں گی، پہلے آپ یہ بتلائیے کہ کسی تحریک کا پختہ اثر کون قبول کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عربی زبان کی ترویج اور اخوۃ اسلامیہ کی تحریک، میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ خواتین میں عام ہونی چاہیئے،

اس حقیقت کے پیش نظر کہ ماں کی گود، بچہ کی اولین درسگاہ ہے۔ زبان کی ترویج اور آپس میں محبت کی تحریک کا سبق بچہ کو اس درسگاہ سے اگر ملے تو وہ زیادہ موثر اور قطعی لازوال ہوگا۔ ورنہ آج کا مسلم مرد کسی اچھی تحریک کا حامل رہے کم توقع ہے۔ بھائی اعظمی صاحب کو آپ مشورہ دیجئے کہ وہ جی کڑا کر کے اس "فتنہ" کو بھی لے اٹھیں کہ یہ ایک ٹھوس اور نہ مٹنے والا اقدام ہوگا۔ ابھی ابھی قریشی صاحب کے غیر مطبوعہ خطوط کو دیکھ رہی تھی، جس میں ایک جگہ انھوں نے، ایسی کوشش کو

"اندرونی اور انفرادی اصلاح" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے آج کا مرد ایک ایسی چٹان بن گیا ہے کہ صاف اور شفاف پانی جس پر نہیں ٹھیرتا، ہاں گدلے کیچڑ سے ضرور وہ خود کو آلودہ کر لیتا ہے۔ یوں یہ عیب آج کی عورت میں بھی پیدا ہو گیا ہے، لیکن نسبتاً مرد سے کم، اسی لئے میں سمجھتی ہوں کہ تحریک اخوۃ کو مستقل صرف عورت کر سکتی ہے، خود نہ سہی۔ اپنی گود کے لال کے ذریعہ ہی سہی۔ تحریک بڑی اچھی ہے، خدا کامیاب کرے آج کے ہندی مسلمان سے اسلامی روح رخصت ہو چکی ہے، اور یہ تحریک مردوں کو زندوں سے ملا کر کچھ تو توازن قائم کر دے گی، اقبال نے سچ کہا ہے ؎

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے ٭ مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق ٭ کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

اور حق یہ ہے کہ ؏

مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

میں خود کو بھی مسلمان کہتے لرزتی ہوں، آخر کیسے کہوں، ؎

چوں می گویم مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

معاف کیجئے، یہ خط نہ ہوا ایک افسانہ بن گیا اور سچ پوچھئے تو مسلمان افسانوی دور سے ہی گذر رہا ہے۔

اچھا اب ختم کرتی ہوں، کبھی کبھی تحریری طور پر یاد فرمایا کیجئے

کہ آپ کی بدولت میں کچھ سیکھ پاؤں، خدا حافظ

آپ کی نادیدہ بہن بیگم اختر

تم اور ترکِ جفا، یہ خیال بھی نہ کرو

گذر ہی جائیں گے ہر حال میں ہمارے دن

محبت ناآشنا!

نامۂ کرم نے ممنونِ توجہات کیا ——— حیران ہوں خلاف توقع کیسے یاد فرمائی ہوئی۔ غرورِ عزو ناز اور آپ کی وضع داری کو کیا ہوا ——— اگرچہ جانتا تھا ؎

پسیج ہی کے رہے گی انھیں کبھی نہ کبھی

وہ اک خلش جو مرے دل کے اضطراب میں تھی

مگر اتنا جلد، یہ امید نہ تھی۔ اور یہی باعثِ حیرت ہے۔ اب سوچ رہا ہوں کہ اس دل پرسی کو اپنی خوبیٔ قسمت قرار دوں یا آپ کی "عنایت" سمجھوں ——— کاش ایسی عنایتیں واقعی مجھے مسرور کر سکتیں مرنے والے کے حلق میں پانی کے دو قطرے اس لئے ٹپکانا کہ وہ کچھ اور جی جائے تو دل کھول کر ستم توڑیں، اگر یہ ظلم نہیں گنا جاتا تو میں اس کو بھی "لطف و کرم" سمجھ کر گوارہ کرتا ہوں ——— آہ لیکن جس کا دل ٹوٹ رہا ہو، اس کو ایسے "سہارے" زیادہ بہلا نہیں سکتے۔

تین دن کے بعد آپ سے ملنا ہوا تھا، اس پر جس خلوص سے مخاطبت

رہی وہ دل کو ٹکڑے کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ناگوار نہ گزرے تو عرض کروں کہ وابستگی اگر پائدار رکھنی ہے تو خلوص کی یہ گرانی توجہ کی محتاج ہوگی۔ خود میرا گھر، میری زندگی اور میری تنہائی مجھے رلانے کو بہت کافی ہے پھر یہ کیا ضرور ہے کہ کوئی ایسے روکھے خلوص، ایسی پھیکی یگانگت اور اس طرح کے بے مزہ سلوک کو دیکھ کر جی جلائے۔ کہاں کا عشق اور کیسی وفا، جب سر پھوڑنا ہی ٹھیرا ——— تو پھر اے سنگ دل، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو۔

زندگی کی تباہی، جینے کی الجھنیں اور دل کی بربادی یوں بھی ہر وقت مجھے رُلاتی ہی رہتی ہے۔ آپ کی بے دلی تو ماشاء اللہ دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہے اور خلوص بفضلہٖ روز افزوں ہے ——— اور یہاں بھی اب وہ دل نہ رہا جو ——— ہر بیدادِ پر دامن کشِ بیداد ہو جائے۔ میرے نہ آنے کی آپ کو شکایت ہے، اور یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ دنیا میں ایسے بھی دل ہیں، جو میری طرح شکوہ و شکایت سے پُر ہوں، آج پھر عاجز نوازی کے مقصد کا اظہار ہوا ہے زہے نصیب و خوشا بخت، لیکن ابھی اتنا کرم نہ فرمائیے کہ مجھے آپ سے رحم کی درخواست کرنی پڑے، طبیعت پر جبر کر رہا ہوں، اگر مجبور ہو جاؤں تب التجا کر لوں گا ——— خدا حافظ

نازِ شہاں نمی کشم زخمِ کرم نمی خورم!
در نگر اے ہوس فریبِ ہمتِ ایں گدائے را

عزیزی

خدا تمہیں خوش رکھے کہ اس اخلاص کے ساتھ کبھی کبھی مجھے پوچھ لیتے ہو، ورنہ سارے خاندان میں، میں اجنبی ہوں اور تمام اپنوں میں غیر۔ اس کو شکایت نہ سمجھنا، کیوں کہ مجھے اپنی ذات کے سوا کسی سے کوئی شکایت نہیں، جب میں نے خود ہی کسی سے رابطہ نہ رکھا پھر مجھے کیا حق کہ زمانے کی بدسلوکی یا اپنوں کی بیگانگی کا شکوہ کروں جینے کی دو ہی صورتیں ممکن ہو سکتی تھیں —— یعنی پانی میں پتھر کی طرح قطعی ڈوب جائیں، یا پھر کنول کی مانند سطحِ آب سے قدرے بلند ہو رہیں، تو میں نے کنول کے پھول سے جینے کا ڈھب سیکھا ہے۔

خیر اس ذکر کو جانے دو اور بتلاؤ کہ اب ہاسٹل میں کیسی گذر رہی ہے اپنی شوخیوں کو حد سے متجاوز نہ کرو۔ اور جہاں تک ہو سکے ہر ایک سے ملے جلے رہو۔ کیا بات ہے کہ حیدر آبادی وہ طلبہ جو علیگڈھ میں زیر تعلیم ہیں، تم سے بہت کم واقف ہیں، آخر کوئی سبب؟ بھئی اب نسیم بانو کا کیا حال ہے، کچھ تمہیں خبر ملی ہ سنا تھا خالہ جان کا برتاؤ اس بچی کے ساتھ ٹھیک نہ ہونے سے ممتاز نے ان کو اپنے پاس بلا لیا، اگر یہ درست ہے تو بہت ہی اچھا ہوا، ممتاز تو مجھ سے بہت

روٹھے ہوئے ہیں، اور لطف یہ کہ آج تک مجھے اس کا سبب نہ معلوم ہو سکا۔

عجیب پاگل ہو!

میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ اس "بیہودہ شہرت یافتہ" مصوری کا میں اس درجہ شایق ہوں جو تم نے آج چار تصویریں بھیج کر اپنا روپیہ اور میرا وقت دونوں خراب کیا۔ تمہیں یقیناً بُرا معلوم ہوگا، یہ سن کر کہ تمہارے "ذوقِ سلیم" کی اس طرح داد دی گئی ہے کہ چاروں "شاہکار نمونے" ردی کی ٹوکری کی نذر کر دی گئیں اب اس کے سوا اور کیا کرتا جن مورتوں میں نہ جان ہو نہ کوئی تخیل نہ موزونیت ہو نہ مطابقت ——— رہ گیا رنگ آمیزی ——— تو اس خط کے ساتھ ہی تمہیں کچھ تصویریں ملیں گی جو دہلی کیمرہ سے لی گئی ہیں، یہ وہ نمونے ہیں جو یہاں کے ادنیٰ نقاش دیوالی کے تہوار میں اہلِ ہنود کی دوکانوں، اور محرم کی ابتدا میں عاشور خانوں کی دیواروں پر قلیل ترین معاوضہ لے کر رنگ دیتے ہیں، آنکھ ناک ہاتھ پاؤں، غرض ہر چیز ایک خاص تناسب کی ملے گی، نہ تمہاری وہ "شاہکار" مصوری کہ پاؤں اگر رشکِ فیل پا۔ ہیں تو ہاتھ گھانس کی سکاڑی۔ "شاہکار مصوری" کا وہ مجموعہ جو خاصی شہرت پا چکا ہے اس کو میں نے بھی دیکھا یوں تو ساری تصویریں "شاہکار" ہیں، مگر خصوصیت سے ایک دوشیزہ کی تصویر مجھے بہت پسند آئی، جس کے

سینے کا اُبھار کچھ اس ڈھب سے دکھایا ہے کہ اس کی گردن کا (نیچے کی طرف) ذرا سا گھماؤ، گنگا اور جمنا، دونوں "دریاؤں" سے خود اس کو سیراب کر دے، تم کہو گے یہ آرٹ ہے، اور میں کہوں گا یہ تمہاری عین حماقت ہے۔ آرٹ کی صحیح تعریف تو یہ ہو سکتی ہے کہ ہر وہ بری چیز جس کی سمائی کسی جگہ نہ ہو سکے، آرٹ کی زرتار چادر میں لپیٹ لی جائے لپٹی ہوئی چیز آرٹ اور لپیٹنے والا آرٹسٹ۔

لفظ آرٹ کا اردو میں صحیح ترجمہ "ستّار عیوب" ہو سکتا ہے مجھے بتلاؤ، تمہارے یہ "بین الممالک شہرت یافتہ" مصوّر نے کیا آج تک کسی انسان یا حیوان کی کوئی ایسی تصویر بھی پیش کی ہے جو بہ اعتبار تناسب صحیح اور موزوں ہو۔ اپنی ہٹ کو قایم رکھنے کے لیے اب شاید تم اس شہرت کی آڑ لوگے، تو ایک لطیفہ سنو —— کسی شخص کو شہرت کی تمنا ہوئی، وہ "آرٹ" کے ہزاروں نمونے پیش کیا ضمیر کی لاکھوں قربانیاں دیں، مگر شہرت کی دیوی کسی طرح ملتفت نہ ہوئی۔ آخر تنگ آکر ایک روز وہ کسی مسجد میں چلا گیا اور عین منبر پر پیشاب کرنے لگا۔ اس کی یہ حرکت اس قدر ناگوار گزری کہ لوگوں نے اس کو دھکے دے کر باہر نکال دیا —— اب یہ "آرٹ کا پتلا" اور "شہرت یافتہ" تھا۔ جب کبھی باہر نکلتا چاروں طرف سے انگلیاں اٹھتیں، شروع میں تو اس کا مضحکہ اڑا، مگر بعد کو لوگ اس سے کچھ ارادت رکھنے لگے، پھر یہ ارادت عقیدت سے بدلی یعنی عوام میں

اس کی وہ حرکت اتنی زیرِ بحث رہی کہ اس برائی میں بھی بھلائی کے پہلو نکال لئے اور اس شخص کو مجذوب سمجھ کر اس کا احترام کرنے لگے تو اس "برقی روشنی" کے دور میں بھی ایسے صدہا "مجذوب" اور ہزاروں ولی نظر آئیں گے جو آرٹ کی چادرِ زرتار میں اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو چھپائے پھر رہے ہیں۔

برا نہ مانو۔ خود اگر مذاقِ سلیم کے دشمن ہو تو یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں بھی تمہاری طرح پاگل ہوں گا۔ اور سچ پوچھو تو یہ بدذوقی ہی نہیں بلکہ ایک "جہادِ عظیم" ہے کہ انسان اس زمانے میں جب کہ "مرادوں کے دن" ہوں، کاغذی تصویروں یا خیالی پیکروں کے پیچھے دوڑتا پھرے، جیتی جاگتی حسین موروتوں کا کیا کوئی "کال" پڑا ہے؟ ہاں جب "قویٰ مضمحل" ہو جائیں اور "عناصر میں اعتدال" ——— باقی نہ رہے، تب ———

دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

مشفقی!

مشاعرہ کی اطلاع ضرور ملی تھی، مگر میں نے شرکت نہیں کی عموماً وہاں کا اجتماعِ سنجیدہ مذاق پر شاق گزرتا رہا ہے، پھر جا کر ملول آنے سے حاصل۔ سنا، بعض حضرات کا کلام بہت کامیاب رہا، اور حق تو یہ ہے کہ اُن ہی چند حضرات سے ہماری ایسی محفلیں چمک

رہی ہیں۔ ورنہ اب ہمارے نوجوانوں کی شاعری میں دھرا کیا ہے، "رود موسیٰ کے کنارے" "نوبت پہاڑ کے اوپر" یا "پھسل بنڈ کے نیچے" غرض ہماری شاعری کے اب یہ عنوانات رہ گئے ہیں۔

اور ہاں، ایک لطیفہ بھی سننے میں آیا کہ کوئی برخوردار اسٹیج پر آتے ہی بے ہوش ہو گئے —— ہائے، ہائے، اس بے ہوشی پر کتنے نہ بے ہوش ہوئے ہوں گے، اسٹیج کی سیڑھی چڑھتے ہوئے شاید میاں کی کمر لچک گئی، یا ناف، کھسک گئی ہو گی —— یا پھر ——

جب ہجوم عاشقاں دیکھا تو گھبرانے لگے

ہوں گے، کیا اس حادثہ کی کچھ تفصیل آپ نے سنی ہے۔ وہ کون صاحب تھے، ذرا مجھے بھی معلوم کرائیے آئندہ جب کبھی ایسے کسی اجتماع کی خبر ملے تو شرکت کی ضرور کوشش کروں گا۔ ملک کے نوجوانوں کو تیر و تلوار لے کر میدان میں دیکھنے کی آرزو تو اب پوری نہیں ہو سکتی کم از کم ان کی کمر کے پیچ و خم ہی دیکھ لوں گا، اور کبھی کوئی ویسے بیہوش ہو جائے تو دونوں بازوؤں میں سنبھال کر گلاب و لخلخہ سنگھاؤں گا، کلیجے سے لگاؤں گا، کہ ملک کے "قوت بازو" یہی تو ہیں —— افسوس، وائے ما، اور وائے بر حال ما،

محبِ اختر

دل تھام لو کہ تمہیں ایک المناک حادثہ کی خبر کرنی ہے، ایک
ایسے غمناک واقعہ کی اطلاع دینی ہے، جس کو سن کر کبھی یقین نہ
کرو گے ——— یعنے آخر وہی ہوا جس کی میں پیش قیاسی کر چکا
تھا۔ کل ایک محفل میں سعید صاحب سے ملاقات ہوئی، لوگ اگر
اس شدت سے یقین نہ دلاتے تو بخدا میں ہرگز باور نہ کرتا کہ وہ سعید
ہی تھا۔ اللہ اللہ، کتنا قیمتی موتی چکنا چور ہو گیا ——— وہ چہرہ
جو کل تک فارغ البال تھا، آج ایک خاصہ رمنہ نظر آیا۔ فلالین کے
سوٹ کی جگہ، ٹخنوں تک کرتہ اور گز بھر کا تہمد، فیلٹ کیپ، شملے
سے بدلی اور پیشانی پر ایک سیاہ داغ ستارۂ صبح کی طرح دمکتا
ہوا نظر آیا، جو ہر گناہ کی تاریکی کو اپنی دمک میں عموماً لپیٹ لیتا ہے
مجھ سے تو یہ ہولناک منظر زیادہ نہ دیکھا گیا اور کچھ دیر ٹھیر کر محفل سے
علیحدہ ہو گیا۔ سنا ہے کہ کسی "اللہ والے" کا اس غریب پر "سایہ"
ہو گیا، اور شہرت، عزت، دولت سب کچھ اس آگ میں جھونک دی
گئی ہے۔ بیوی، بچے، عزیز و اقارب سب سے منہ موڑ کر وہ پاگل
اس "زندہ لاش" کو لئے پھر رہا ہے۔ پیر صاحب کی بھی میں نے بڑی
"تعریف" سنی ہے، اگر یہ درست ہے تو سعید کی ہڈیاں بھی تبرکاً
ملنی محال ہے۔ دنیا میں کیسے کیسے "آدم خور" نفوس ہیں کہ پناہ
... مجھ سے کھل کر بات نہ کر سکا۔ لیکن ...

اتنا معلوم ہوا ہے کہ پیر صاحب قبلہ نے اپنے بھگت کو "موسیٰ ثانی" بنانے کا حکم دے رکھا ہے۔ آدمی خدا کی جستجو میں، اور خدا آدمی کی تلاش میں ——— عجیب پھیر ہے۔

گدائے جلوہ رفتی بر سرِ طور ، کہ جانِ تو ز خود نا محرمی ہست
قدم در جستجوئے آدمی زن ، خدا ہم در تلاشِ آدمی ہست

مشفقی!

احتشام کی طبیعت سے میں بخوبی واقف ہوں اور اس کی ٹیڑھی فطرت سے کافی آشنا۔ میرے سوا وہ ہر کسی کو یوں ہی مرعوب کر لیتا ہے ابھی گزشتہ رمضان کا واقعہ ہے، شاید ۲۱ر تاریخ تھی جب زیدی کے ہاں روزہ کشائی کی تقریب میں اس سے ملنا ہوا۔ کوئی دس پندرہ سنجیدہ نفوس کا اجتماع تھا اور حسبِ عادت احتشام سب پر چھا رہے تھے گفتگو کا موضوع بڑا ہی خشک تھا لیکن اس کی شیریں زبانی ہر ایک کو لبھا رہی تھی ——— یہاں کے انعام و اکرام اور نوازشات جو ایک مخصوص حلقہ میں "اندھے کے گڑ" کی طرح بٹ کر رہ گئے اس کو احتشام بالکل واجبی اور "برحق" ٹھہرا رہا تھا۔ یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ سرفرازیوں کا زیادہ حصہ ہمارے قبضہ میں رہنا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ہم نے یہاں زیادہ سے زیادہ خدمت کی ہے نجم جانتے

اور خصوصاً زیدی صاحب سے اپنی مداخلت کی معذرت چاہتے ہوئے میں نے احتشام سے سوال کیا کہ اپنے دعویٰ کا کوئی ادنیٰ ثبوت تاریخ سے پیش کرو تو مانیں۔ ظاہر ہے اس کے جواب میں سوائے الٹی سیدھی ہانکنے کے وہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔ مختلف ادوار کی مثال دیتے ہوئے اور مختلف لوگوں کے حالات بتلاتے ہوئے میں نے ثابت کیا کہ یہ معاوضے کسی جاں نثاری کا صلہ نہیں بلکہ "ایمان" اور "ضمیر فروشی کے نقد" جو ملے۔ ایام جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کو نحوست سمجھا جاتا تھا، مگر تمہارے یہاں ایسی پیدائش نے برکتیں نازل کیں اور "ہُن" برسائی ہے۔ تمہاری سرخ و سفید رنگت، دکن کے سانولے اور سیاہ رنگ پر غالب آئی ______ سودا کرنے والوں نے جی کھول کر تمہیں نوازا حتیٰ کہ ایک ایک "خال" پر "سمرقند و بخارا" تک بخش دیا۔ یہ نوازشیں خون کے قطرے ٹپکا کر حاصل نہیں کی گئیں، بلکہ "عزت و ناموس" بیچ کر۔

اس قدر کہنے کے بعد تم جانتے ہو کہ وہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔ غریب اس روز وہاں سے بھوکا ہی اٹھا، اور آج تک مجھ سے نہیں ملا مجھے لکھ بھیجو کہ وہ وہاں آ کر کس قسم کی بڑائی ہانک رہا ہے۔

محبت نا آشنا۔

ادائی جواب میں تاخیر ہو رہی ہے، کسی غلطی یا خطا کو اپنے سر

لینا اور "الٹی معذرت" چاہنے کے لئے "سبک سر" بن کر پوچھنا کہ

ہم سے سر گراں کیوں ہو؟

ذرا صبر آزما کام ہے ناکردہ گناہی کے باوجود، اعترافِ گناہ کیلئے مناسب الفاظ تلاش کرنے الگ تھے، غرض یہ کچھ ایسے وجوہات ہوئے کہ فوری شکریہ ادا نہ کرسکا۔

اب آئیے ذرا اس "حادثہ" کے اسباب پر بھی نظر ڈال لیں۔ مگر پہلے عنایت نامہ کی سیر کر لیجئے، جس کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا ——— خیر یہی کیا کم غنیمت ہے کہ وہ آپ کا تحریر کردہ ہے۔ اب رہا آپ کا مجھے مخاطب نہ کرنا، تو اس کی شکایت بھی فضول، کیونکہ ایک ایسی ہستی جو خدا کی مقہور اور خلقِ خدا کی مردود ہو، اس کو کوئی خطاب زیب ہی نہیں دیتا۔

بھلا یہ کیسے گمان ہوا کہ میں نے آپ کو بھلا دیا، رکھا "معراج جسمانی" تو شاید اب مقدر میں نہ ہوگا، مگر "رابطہ روحانی کیونکر ٹوٹ سکے گا۔ آپ کا مجھ سے بیگانہ یا ناآشنا ہو جانا اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ میں نے بھی اخلاص و محبت کا جنازہ اٹھا دیا ہے۔ میرا یہ خط ہی میرے خلوص اور دلی تعلق کی گواہی دے گا، یوں آپ کو اختیار ہے، یہ بھی نہ مانیں۔

آج کی "عتاب نما" کرم فرمائی کا شکریہ مزید اس لئے بھی ادا کرتا ہوں کہ اگر آپ مخاطب نہ کرتے تو خود میں ایسی جسارت بھی

نہ کر سکتا، بہرحال احسان مند ہوں اور اس اعتراف کے عوض تازہ بارش کرم کا امیدوار۔

آپ نے میرے ہی ایک جملہ کو دہرا کر مجھ پر حملہ کیا ہے۔ لیکن مجھے اب بھی اسی پر اصرار ہے اور پھر کہتا ہوں کہ اب "مجھ سے ایسی کوری زندگی بسر نہیں ہو سکتی" اصل بات یہ ہے کہ فرہاد کی طرح سر ٹکرا کر جان دینے، یا مجنوں بن کر صحرا نوردی کرنے کا میں قایل نہیں۔ محبت کرتا ہوں اور آپ کی طرف سے اس کے اعتراف کی تمنا بھی رکھتا ہوں خیال کیجئے، جب میں نے اپنی زندگی اور زندگی کی کل کائنات کو آپ سے وابستہ کر دیا، آپ کی محبت کو حاصلِ زیست جانا ———— یہ سب کچھ ہوا، لیکن آپ ہمیشہ مجھ سے دور ہی رہے۔ میرا ایثار، میری قربانیاں غرض کوئی چیز بھی آپ کے تغافل پر غالب نہ آسکی۔ ہر قدم پر مجبوری، ہر گام پر معذوری تو بتلائیے، کیا کسی کا جی نہ کڑھے گا۔ مختار بنا کر مجبور رکھنا، جبر کرنے کا حق "عطا" کر کے تجاہل سے کام لینا، شکایت کا موقع دے کر رفع شکایت سے گریز کرنا، میرا پندار مجھ سے چھین کر میرے ہی جذبات سے کھیلنا، اور کبھی میں شکایت کروں تو اس طرح روٹھ بیٹھنا ———— کہ "منائے نہ بنے" انصاف سے کہئے یہ کہاں کا انصاف ہے، اجازت ہو تو غالبؔ کا ایک شعر پڑھ دوں

دے مجھ کو شکایت کی اجازت، کہ ستمگر

کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے

آج کا عتاب نامہ چغلی کھا رہا ہے کہ آپ کا رجحان "تجدیدِ محبت" کی طرف پھر مائل ہے۔ اگر یہی قصد ہے تو آئیے اس "زلزلہ خوردہ عمارت" کو گناہ، کے رتبے سے پھر حکمر ملیں اور محبت کریں جی کھول کر، آپ اگر محبت کرتے ہیں بھی تو "کارِ ثواب" جان کر اور میں اس کو گناہ، عظیم تر گناہ سمجھتا ہوں، اسی لئے جو لذت مجھے ملتی ہے اس سے آپ محروم ہوتے ہیں، شراب کو شراب سمجھ کر اگر پیجئے تو خمار بھی لذت دے گا۔ اب کہئیے کیا ارادے ہیں؟ کیا تجدیدِ محبت کا واقعی قصد ہے، پیمانِ وفا پھر باندھئیے گا لیکن استواری کی ضمانت۔ یہ بعد کو طے ہوگا، پہلے جواب دیجئے تو چند شرطیں لکھ بھیجوں،

آپ نے غلط سمجھا کہ "افتراق کے یہ دن"۔ "جنگ" کے یہ ایام میں نے آسانی سے گزارے ہیں، خدا گواہ ہے ایک ایک لمحہ کٹھن معلوم ہو رہا تھا، مگر کیا کرتا، آپ ہی نے عشقِ لامحدود سے نواز کر مجھے اپنا "حریفِ مقابل" بنا رکھا ہے۔ اس کے قطعِ نظر، کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا تو کیا اس کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ خود پر جبر کرے۔ میں نے اس حق سے استفادہ اگر کیا اور غلطی ہوئی تو آپ سے بھی کچھ کم بھول نہ ہوئی میں نہ آیا برا کیا ——— اور آپ خود نہ بلوائے، یہ بھی تو برا ہوا، جب غلطی دونوں طرف کی ہو تو پھر ایک طرفہ خفگی کے کیا معنے؟

یہ تحریرات کو یہاں تک لکھا تھا، جس کے دوران میں خیالات کچھ ایسے منتشر ہو گئے کہ اور کچھ نہ لکھ سکا، اب صبح آپ کا آدمی

پھر آیا ـــــــ مگر صرف میری دستی واپس کرنے کے لئے ـــــــ کیا آپ نے اس کو حقیقتاً اسی لئے بھجوایا تھا۔ گمان غالب ہے کہ آپ کو اپنی تحریر کے جواب کا انتظار رہے، چونکہ "بڑے آدمی" ہیں ہتک سر بینا گوارا نہ ہوا، اپنی تحریر کا جواب مانگتے لحاظ آیا، اور مناسب یہی سمجھا گیا کہ دستی پلٹا دی جائے، آپ کو یقین تھا کہ میں ہمیشہ کی طرح اُس آدمی سے جواب گزران دوں گا۔ اللہ اللہ لوگ محبت بھی کرتے ہیں تو اس غرور کے ساتھ، دوسرے کی جان جائے، مگر اپنی آن باقی رہے۔ میری دس ہزار تحریریں جواب طلب رہ گئیں، کوئی پرواہ نہیں، اور آپ کا گرامی نامہ آئے صرف چند گھنٹے ہی گزرے کہ وصولی جواب کا یہ لطیف پیرایہ اختیار کیا گیا ـــــــ کہ "تقاضا کہیں جسے" چوں کہ عدم ادائی جواب کی میں نے شکایت کی ہے، اس لئے اب وہی پرانی بات کہہ دیجئے کہ "مجبوری ہے" یا "مجھے ایک لفظ لکھنے کا بھی موقعہ نہیں ملتا"! میری تو یہی دعا ہے کہ یا تو یہ آپ کی مجبوریاں دور ہوں یا خود میں ختم ہو جاؤں۔

آدمی کے ہاتھ یہ تحریر بھجوا دیتا مگر چوں کہ "گناہ بخشوانے" اور معذرت چاہنے کے لئے مجھے آنا ہے اس لئے اس کو تو خالی ہاتھ پلٹا رہا ہوں، اور خود میں دلِ شکستہ کی نذر لے کر ابھی آؤں گا ـــــــ اس وقت تک کے لئے خدا حافظ۔

جاؤجی ـــــــ تمھیں اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں۔

کیوں بناتے ہو، وہ مجھ کیوں پوچھنے لگے، شاید تم نے ہی میرا کوئی تذکرہ نکالا ہوگا تو ـــــــ اپنی ندامت کو چھپانے اور جبینِ ناز سے عرقِ انفعال کے قطرے پونچھنے کو ـــــــ انھوں نے ممکن ہے مجھے پوچھ بھی لیا ہو۔ اب تمہارا یہ کہنا کہ وہ "تجدیدِ بیعت" پر آمادہ ہیں اور خود کسی روز مجھ سے آکر ملنا چاہتی ہیں اس کو میں تمہاری روشنئ طبع پر محمول کرتا ہوں۔ تم اگر لکھتے کہ آفتاب فلاں روز مغرب سے طلوع ہوگا تو میں ایمان لاتا، اگر کہتے کہ کرۂ زمین کسی سیارے سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے والا ہے تو باور کر لیتا ـــــــ مگر "ان" کا اس درجہ "چارہ سازی اور دل نوازی" پر آمادہ ہونا، کسی طرح یقین نہیں آتا۔ پتھر پگھل کر موم بن جائے گا، لیکن ان کا "کفر" اتنا جلد ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا۔ اس میں کچھ تمہاری سازش معلوم ہوتی ہے، ورنہ ـــــــ

انھیں دیکھو، مجھے دیکھو، یہ عنایت دیکھو؟

بہر حال سچ سچ بتلاؤ کیا معاملہ ہے۔ کیا واقعی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ کہاں، کب اور کس طرح۔ میرا ذکر کیوں کر نکلا، کیا خود ہو کر انھوں نے پوچھا، تم جانتے ہو میرا ایک "موکل" وہاں موجود ہے، تمہارے کسی لفظ کی بھی اگر اس نے تردید کی، تو پھر تمھیں جیتا نہ چھوڑوں گا۔

اب رہ گئی "تجدید بیعت کی پیشگی مبارک باد" تو اُدھر سے خاطرِ غمگیں کی تسلیاں ایسی بہت ہو چکی ہیں "عہدِ وفا" بیسیوں دفعہ توڑ کر باندھا جا چکا ہے، پھر کوئی کیا مسرور رہو۔ ہاں ان کا خود میرے پاس آنا، ضرور ایک شدید قسم کا "حادثہ" ہوگا، جس کے لئے مجھے اپنے آپ کو تیار کر لینا چاہئیے ——— مگر پھر سوچتا ہوں کہ

اب حسیں آکر ہمارے گھر سے کیا لے جائیں گے
تجربے کچھ سیکھ جائیں گے، دعا لے جائیں گے

تمہارے تفصیلی جواب کا بے چینی سے منتظر رہوں گا، خدا حافظ۔

محبّ اختر!

تمہاری موجودہ پریشانیوں کی تفصیلات آج میرے علم میں آئیں، تم نے تو مجھے کچھ بھی نہ معلوم کرایا۔ شاید یہ جان کر کہ خود میں پریشان حال اور رہینِ ستم روزگار ہوں، قاعدے کے مطابق تمہارے ایسے خط کے جواب میں مجھے بھی صرف وہی لکھنا چاہئیے تھا، جو عام طور پر کہا جاتا ہے یعنے صبر، شکر اور راضی بہ رضا رہنے کی تاکید، لیکن تم جانتے ہو، میں ان میں سے نہیں ہوں جو پریشانی سے مردانہ وار مقابلہ کرنے، تدبیر سے تقدیر کو نیچا دکھانے اور قوتِ عمل سے خدا اور خلقِ خدا کو خوش کر کے اس کے اچھے معاوضہ کے لئے جھگڑنے کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر صبر کرنے کی ہدایت کروں۔

عزیز دوست! سچ تو یہ ہے کہ میں بد نصیبی اور سیہ بختی کا قائل ہی نہیں۔ انسان اپنی قسمت کا آپ ہی معمار ہے، خود کو بد بخت سمجھ کر مجہول بیٹھ رہنا یا ہاتھ پیر نہ ہلانا ایک انتہائی بزدلانہ فعل ہے، ایسا احساس انسان کو نکما، کمزور، متشکی، کاہل اور حاسد بھی بنا دیتا ہے، تم سب کچھ کر سکتے ہو، بھلے سے بھلا کام ——— اور برے سے برا فعل، اپنی طبیعت کو جانچو، قوت کا اندازہ کرو، عمل کو پرکھو۔ ماضی اور مستقبل کو جو ملے ہیں جھونک کر حال پر نظر رکھو، اپنے ضمیر سے سوال کرو۔ پھر آمادہ ہو جاؤ۔ اٹھو اور دوڑو ——— کام کے لئے ——— نیک یا بد ——— اچھا یا برا ——— کچھ ہی سہی ——— مگر نہیں اتنی عجلت بھی بیکار ہے اگر تم نے پہلے اپنی زندگی کا کوئی نصب العین قرار نہ دے لیا۔ سماج کی نظروں میں برا فعل قتل، غارتگری اور ڈاکہ ہے، تم ان میں سے کوئی ایک یا یہ تینوں کام اختیار کر سکتے ہو۔ دنیا میں برے سے برا کام بھی، ایک نہ ایک پوشیدہ بھلائی رکھتا ہے، قتل ایک نہایت بزدلانہ فعل اور خلاف انسانیت حرکت ہے، مگر کسی ایسے شخص کا قتل جس کے پنجۂ ظلم سے خلقِ خدا بچ سکتی ہو ایسا فعل خود سماج سے خراج تحسین حاصل کرے گا۔ تم کسی کو تباہ و غارت کر دو۔ بشرطیکہ تمہاری یہ عالی ہمتی ہزاروں خلقِ خدا کو تباہی اور غارت گری سے بچا لے، اگر تم ڈاکو بننا چاہتے ہو تو فوراً ارادہ کر لو اور بڑے بڑے کو ڈھونڈو

ٹکراؤ، اونچی اونچی عمارتوں اور بڑے بڑے بنگلوں کی بنیادیں ہلا دو، اور اس میں جو دولت اور روپیہ بھرا ہے اس کو چھین کر غریبوں، بیکسوں محتاجوں اور تنیتموں کو بانٹ دو کہ ان کی ضروریات پوری ہوں، یہ دولت یا یہ روپیہ دراصل انھیں کے خون کی بوندیں ہیں۔ وہاں رات دن عیش منایا جائے، شراب کی بوتلیں اڑیں۔ اور غریب پیٹ بھر کے ایک وقت کا کھانا بھی نہ کھائے، یہ ظلم ہے اور تمہارا وہ فعل مذموم یعنی ڈاکہ زنی قابل ملامت نہ ہوگا۔ اپنی مدد غلق کی خدمت اور نظام زندگی میں یکسانیت پیدا کرتے ہوئے تم سماج کو بھی نیچا دکھا سکتے ہو، یاد رکھو بھلا کام کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا برے کام سے بھلے نتائج پیدا کرنا ہوتا ہے، چاہے کوئی کام ہو، طبیعت میں استقلال چاہیئے۔ خود اعتمادی ہو، بازوؤں میں طاقت اور خون میں گرمی۔ پھر تم زندہ ہو اور زندہ رہ سکتے ہو۔

اگر تمہارا ضمیر، تمہاری قوت یا ہمت کسی ایسے کام پر آمادہ نہ کرے تو ٹوکرا لے کر بازار میں نکل آؤ، محنت یا مزدوری کرو، اس میں کوئی عیب نہیں، پھر ایک بے فکر اور بے پروا یا نہ شان کی زندگی گزارو۔ نہ سہی تو کسی شاہ راہ پر کوئی معمولی دوکان لگا دو۔ یا عام ضروریات کی چیزیں لے کر بیچتے پھرو کہ اکل حلال کی فراہمی کوئی گناہ نہیں۔ دنیا تمہارا مضحکہ اڑائے، تو پروا نہ کرو ——— ایک شخص ساری دنیا کو خوش نہیں کر سکتا ——— یہ ایک سچی بات ہے اس لئے میں پھر کہتا ہوں

کہ کام کرو، صرف صلہ یا معاوضہ کی خاطر، اور تحسین یا واہ واہ سے بے نیاز ہو کر۔

محنت یا مزدوری نہیں ہو سکتی تو گیروے کپڑے پہن کر کوئی کہنہ قبر تلاش کر لو اور اس کے مجاور بن جاؤ، پھر ساری دنیا تمہاری ہو گی۔ لوگوں کی حاجت بر آری کا وسیلہ بنو گے، نذر نیاز لو گے، اور "صاحب" کہلاؤ گے۔

بھئی! بدبخت یا بدنصیب کہہ کر خود کو دھوکا دینے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح اچھے یا بُرے اعمال سے دنیا کو دھوکا دیا جائے ـــــ کیوں کہ اَلدُّنیاءُ دَوْرٌ لَایَحْصِلُ اِلّا بِالزُّورِ
لیکن یاد رکھو کہ ہر کام میں استقلال اور نیک نیتی کی ضرورت ہے، اچھے کام اچھے ہی ہوتے ہیں، لیکن بُرے کام سے اچھا نتیجہ نکالنے کی سعی کرنا اچھے کام سے اچھا ہے۔

"مجاوری" اگر نہیں ہو سکتی تو پاگل بن جاؤ، ایسے حرکات کرنے لگو کہ لوگ تمہیں فاتر العقل سمجھنے لگیں، اس کو ذلت نہ سمجھو بلکہ یہ راحتوں کا پیش خیمہ ہے کہ ـــــ دیوانہ باش، تا تو غم دیگراں خورند۔ اس کے بعد تو پھر ہر روز، روزِ عید ہو گا، تمہارے پیروں کے نیچے کی خاک سرمہ بن جائے گی۔

کسی وجہ سے یہ بھی گوارا نہ ہو تو ـــــ پھر

رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز

یہ بھی پسند نہ ہو تو کہیں کسی پر عاشق ہو جاؤ کہ غم "این و آں" سے چھٹکارا ملے۔ کسی پر، جب عاشق ہی ہونا ٹھیرا تو بقول جامی اس "راہ" میں "فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست" مگر یہ سودا اس زمانے میں ذرا گراں پڑ رہا ہے، تمہاری "تہی دستی اور عدم صلاحیت" ایسی گراں باری کی متحمل نہ ہو سکے گی اس لئے ذرا ڈھونڈ کر برابری کا سودا کرلو تو صرف "بندۂ جاناں" بن جاؤ گے، اور اگر کسی اچھی "موٹر" سے ٹکرا کر "شہیدِ ناز" بننے کی فکر کرو گے تو ______ دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن" کا معاملہ ہو جائے گا۔ "اونچی جگہ" تن، من اور دین و دنیا سب کچھ "نذر چڑھا کر" بھی "حاصل قسمت" صرف "صفر" ہی پاؤ گے۔ کیونکہ دولت جس طرح امیر تیمور کے زمانے میں اندھی تھی آج بھی ہے، وہ کسی کی جاں نثاری، سچی محبت روحانی تعلق کو نہیں دیکھ سکتی۔

اب اگر تمہیں میری کوئی رائے پسند نہ ہو تو آؤ ______ غریب خانہ ہے موجود، ہر بلا کے لئے ______ "بلا" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے تم جیسے انسانوں سے نفرت ہے، قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں اور طاقتوں کو کام میں نہ لانا اور مجہول بنے ہوئے، ہائے قسمت وائے قسمت کرتے رہنا گویا خدا پر اتہام باندھنا ہے، میرے پاس چلے آؤ، جو کچھ مجھے میسر ہے اس کے شریک بنو۔ میں یہاں محل میں رہتا ہوں، پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہوں،

اور پیٹ بھر غم کھاتا ہوں ——— کہو کیا ارادہ ہے ان "لطافتوں" میں میرے شریک ہوگے؟ مگر جانتا ہوں کہ تم بے حد غیرت مند ہو، تمہیں یہ بھی گوارا نہ ہوگا۔ اور دراصل یہی ایک برائی تمہیں بھڑکریں کھلوا رہی ہے، پھر زیادہ بہتر تو یہ ہوگا کہ مجھ سے تھوڑا سا سنکھیا منگوا لو۔ اور چپکے سے پھانک کر کہیں "غرقِ دریا" ہو جاؤ، کہ نہ جنازہ اٹھے نہ مزار بنے۔ یوں ایڑیاں رگڑ رگڑ "رسوائی" کی موت سے یہ بہتر ہے چاہو تو میں بھی تمہارا ساتھ دوں۔

پیارے دوست!

جلیل نے اگر تمہیں یہ لکھا کہ "آثارِ قدیمہ سے میرا تعلق ہوا ہے" تو غلط نہ کہا۔ بے شک میں دائرۂ ملازمت میں منسلک ہو چکا ہوں، کوئی دس ماہ ہوئے کہ یہ "طوق" بالآخر مجھے پہننا ہی پڑا۔ وجوہات نہ پوچھو اور ہو سکے تو میری اس "خوش بختی" کا ماتم کرو۔ تم نے مبارکباد بھیجی ہے اور چونکہ یہ تحفۂ دوست ہے اس لئے ہدیۂ تشکر بھیجتا ہوں اگر کوئی آزاد پرندہ کسی قفس میں خوش رہ سکتا ہے تو سمجھو کہ میں بھی یہاں خوش ہوں، قدرت کی ستم ظریفی دیکھو کہ رہنے کے لئے تو محل ملا، اور کھانے کو غم، اتنا بہ افراط کہ ———

میری آہ کو ہے اب تلاش بے اثری

بہرحال وہ دن بھی گزرے یہ بھی بسر ہو رہے ہیں، روحانی

سکون نہ وہاں میسر تھا نہ یہاں حاصل ہے۔ بلکہ جب سے یہاں آیا ہوں طبعی بے چینیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ تنہائی کی وجہ زندگی میں ایک "خلا" پاتا ہوں، جس کے پُر ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

معاف کرنا، خط کا جواب دیر سے آر ہا ہے، اختر سلطان کو ٹائیفائڈ ہو گیا تھا، اور خود محمودہ کی مزاج بھی نادرست تھی، ظاہر ہے مجھے کہاں سکون ملا ہو گا۔ سکون تو خیر ایک دوسری چیز ہے، اس اثنا ریں میں بالکل ہوش وحواس کھو چکا تھا۔ اب کچھ اطمینان نصیب ہوا اگرچہ ایک دوسری اہم تشویش لاحق ہے، جو خدا نے چاہا تو یہ بھی دور ہو جائے گی۔

برادرم

عزیز کی شوخیوں اور شرارتوں سے آپ اس قدر نالاں کیوں ہیں، ہر ملاقات پر اُسی کا ذکر، ہر تحریر میں اسی کا تذکرہ، بچپن ہے اور شہنشاہیت کا زمانہ، بھلے کی پروا نہ برے کا خیال۔ بہار کے یہ دن آپ نے بھی گزارے ہیں اور میں نے بھی۔ سچ پوچھئے تو یہی زمانہ زندگی کی جان ہوتا ہے، ذرا شعور آیا کہ بس "آدمی" بنے، اور گویا "آدمی بننا" ایک روگ لگا لینا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عزیز کے سن میں، ہر کسی کے لئے میں وبالِ جان بنا ہوا تھا۔ کونسی شرارت تھی جو ہم نہ کئے، گھر کے

قطع نظر، مدرسہ گویا ہماری شرارتوں اور شوخیوں کا مرکز تھا۔ تاریخ اور جغرافیہ کے معلم، ایک ہندو بزرگ نہایت "ضخیم" اور بے حد جسیم تھے، تاریخی مناسبت سے بیچارے اگر بیجاپور کی توپ تھے تو جغرافیہ کی حد تک وہ ہمارے حق میں "جغرافیائی اصطلاحات" کا مکمل نقشہ۔ ان کی جسمانی ساخت کو دیکھ دیکھ کر ہم پہاڑ، پہاڑی، جھیل، درہ، آبنائے، خاکنائے وغیرہ حفظ کرتے اور جب وہ چٹہ پیتے تو کوہِ آتش فشاں تک کی تعریف ہم کو یاد آجاتی تھی۔ علاوہ اس کے ہم نے ان کو "اسٹیم رولر" کا خطاب دے رکھا تھا، ان کی عادت تھی کہ جماعت میں داخل ہوتے ہی اپنی "لاش" کو کرسی پر بری طرح پھینک دیا کرتے تھے ایک دفعہ ہم "اخوان الشیاطین" نے کرسی کے چاروں پاؤں کے نیچے "لہسنی پٹاخے" رکھ دیئے، اب جس وقت وہ "لاش" کرسی میں اتری ہے اور ساتھ ہی جس دھماکے سے پٹاخے چھوٹے ہیں۔ کیا بتلاؤں کہ کتنا لطف آیا۔ اگرچہ بعد کو ہمیں اس مذاق اچھا "صلہ" ملا ایک اور صاحب تھے مسٹر وینکٹا چلم، یہ بھی ہماری "لکڑی کے بل" ناچتے تھے، ان ساری جماعتوں میں جہاں یہ جاتے ایک چلم، بلیک بورڈ پر ضرور اتاردی جاتی، مدرسہ کی دیواروں، ہماری کتابوں اور کاپیوں غرض ہر چیز پر چلم کا "ظہور" تھا، اور اس چلم سے انھیں اتنی نفرت ہوگئی کہ راستہ والوں نے بھی چھیڑنا شروع کردیا تھا، اور کچھ عرصہ بعد تو بیچارے مجنون بن گئے۔

بورڈنگ کا زمانہ بھی کچھ کم خطرناک نہ رہا۔ جہاں ہنسی، مذاق شوخی، اور شرارت، گویا کھانا، پینا اور اوڑھنا، بچھونا تھی، ہنوز ماسٹر ایک "ملا"، قسم کے صاحب آئے جو بہت جلد ہمارا کھلونا بن گئے۔ ان کی بدنصیبی سے بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر شروع ہوئی اور ہم تمام کو عارضی طور پر ایک دوسرے مکان میں منتقل کردیا گیا، گرمی کے دن تھے، ہم سب متفقہ طور پر احتجاج کرنے لگے کہ یا تو یہ مکان بدلا جائے یا پھر قریب کی مسجد میں سونے کی اجازت ملے۔ دونوں باتیں پوری ہوئیں، یعنے دوسرا مکان تلاش ہونے لگا۔ اور یہ بھی اجازت ملی کہ اس وقت تک جو چاہیں اپنے گھروں کو جا سکتے ہیں یا قریبی مسجد میں سو سکتے ہیں۔ بہت سے بورڈنگ میں رہے، کچھ گھروں کو سدھارے اور ہم چند خانۂ خدا کو سنبھالے۔ ہم "معصوموں" کے ساتھ نکیرین تھے یا نہیں۔ اس کی تو خبر نہیں البتہ مولوی ہوز ماسٹر صاحب ہمارے اعمال کی "کھتاؤنی" کرنے ہمارے ساتھ رہے۔ تین راتیں گذریں مگر تینوں بھی سوکھی سا کھی —— وظیفہ نماز یا قرآن خوانی اور بس —— بالآخر "اسمبلی" میں رائے پاس ہوئی کہ مولوی صاحب سے کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہیئے۔ سب سے زیادہ جو چیز ہمیں تکلیف پہنچاتی وہ ان کی سحرخیزی کی عادت تھی، گویا اطراف کے تمام مرغوں کی "رائلٹی" انھوں نے ہی حاصل کرلی تھی کہ ادھر پو پھٹی اور وہ بانگ دینے کے لئے پروں کو چھٹک کر اٹھ بیٹھے، بے چاروں کو عادت تھی کہ ہمیشہ بائیں

کروٹ سوتے اور ویسے ہی اٹھتے۔ غرض ایک رات کوئی تین بجے ہوں گے جب "اجنہ" کا ایک غول مولوی صاحب کی "پلنگڑی" کی طرف بڑھا، جس پر وہ بے خبر سو رہے تھے، اور لفول ان کے، ان کی پلنگڑی وہاں سے "کھسکا دی گئی" اور جناتوں نے جس کو لے جاکر حوض کے بالکل کنارے رکھ دیا۔ چونکہ پیش آنے والے خطرے سے وہ بے خبر تھے اس لئے اٹھے اور آگے بڑھنے کے قصد سے ایک قدم نیچے رکھے جو حوض کے پتھر پر پڑا ——— اور دوسرا ——— انھیں جب ہوش آیا تو خود کو دواخانہ میں پائے اور ہم تمام ان کی تیمارداری میں مصروف تھے۔ شاید آپ حادثہ کی نوعیت کو سمجھے ہوں مگر مولوی صاحب کو تو یہی اصرار رہا کہ وہ جناتوں ہی کا کام تھا۔

فنون لطیفہ اور بالخصوص ڈرائنگ سے ہم کو بڑی دلچسپی تھی، آخر امتحان میں شرکت کا قصد ہوا، بڑی دھوم دھام کی تیاری رہی اور امتحان کا سنٹر بجواڑہ پسند کیا گیا، جب تاریخ قریب آئی تو ساتھیوں کی ایک معقول تعداد بجواڑہ روانہ ہوئی، امتحان صرف تین دن کا اور قیام رہا، کامل اکیس دن۔ نئی جگہ، نئے لوگ اور نیا ماحول، مگر توبہ کیجئے وہاں بھی ہم لوگوں نے وہ اودھم مچادی کہ خدا کی پناہ۔ دھوتی باندھ کر اگر کرشنا گھاٹ پر اشنان گئے تو مسجد میں جاکر اذانیں دیں ——— پوجے کا سامان لے کر مندر میں گھسے تو سوٹ پہنکر چرچ کی سروس میں شریک ہوئے۔ ہر قسم کی شرارت، مذہبی، معاشرتی،

سماجی اور ہر طرح کا لفنگا پن اور بیہودگی جائز رکھی گئی۔

دعوت کا قبول کرنا، ایک ایسی "سنت" ہے کہ اس زمانے میں لوگ شاذ ہی اس سے انکار کرتے ہوں، مگر اپنے دور میں ہم نے اس سنت کو "فرض" بنا لیا تھا۔ ہماری مخصوص پارٹی کا ہر رکن، اس خصوص میں اپنے حلقہ کا افسر ہوتا تھا، یعنی اس کا فرض تھا کہ محلے میں جہاں کہیں شادی کے سامان یا دعوت کے امکان نظر آئیں، دن اور تاریخ سے ہمیں مطلع کردے، اب وہاں "دعوتی" بن کر پہنچے اور خوب ڈٹ کر کھایا، اس سے غرض نہ تھی کہ کھانا عقد کا تھا یا چہلم کا۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی دن کئی کئی دعوتیں اڑی ہیں۔

ہائے ہائے ماضی کے وہ کیسے شیریں لمحات تھے کہ جس پر حال کا ایک ایک سال قربان کردینے کو جی چاہتا ہے ——— افسوس

اب نہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی۔

غرض بھائی صاحب، بچپن کا زمانہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے، عزیز کو جی بھر کر ہنس لینے دو، کون جانے، کل غریب کو میری طرح ہنسی بھی نصیب ہوگی یا نہیں۔

محترمی!

ناظم کی زبانی معلوم ہوا کہ عزیزی مہدی میاں، یورپ سے کامیاب و "کامراں" واپس ہوئے اور "مالِ غنیمت" بھی ساتھ

لائے ہیں، ان کی کامیابی سے تو، خیر وہ مستفید ہوں گے، مگر اس "کامرانی" کے لئے آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ ناظم کہہ رہے تھے کہ برخوردار کا اس طرح "چوپایہ" بن کر آنا، آپ کو اس قدر ناگوار گزرا کہ اس غریب کو شفقت پدری سے تک محروم کر دیا گیا، یہ کہاں کا انصاف ہے ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ،
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

غلطی آپ کریں اور سزا بھگتے وہ غریب۔ بھائی صاحب، بُرا نہ مانئے یہ تعلیم کا اثر نہیں بلکہ نتیجہ ہے غلط تربیت کا۔ تعلیم اور تربیت کا "چولی دامن کا ساتھ" ہے، بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ ایک بچے کو عالمِ طفولیت میں اچھی تعلیم کی اتنی شدید ضرورت نہیں ہوتی جتنی اچھی تربیت درکار ہوتی ہے، جہاں دونوں چیزوں پر نظر رہے تو پھر کیا کہنے، یہاں کے بڑے گھرانوں میں تعلیم پر خاصی توجہ کی جاتی ہے مگر تربیت کو، کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، جس کے بُرے نتائج اکثر نظر آتے ہیں، تعلیم بچے کو، "آدمی" بنا سکتی ہے مگر "انسان" نہیں بنا سکتی، اور یہ کام صرف تربیت کا ہے۔ غور کیجئے، جو بچے زمانۂ معصومیت میں ہندوستانی طرز کے خلاف، ماں کو ممّا اور باپ کو پپا کہتے ہوں، جو ماں کی گود سے چھڑا کر مِس نلسن کی آغوش میں دے دئے گئے ہوں، جن کے کان اذان کی آواز سے کورے اور چرچ کے گھنٹوں سے آشنا ہوں، وہ ادب و

آداب، رسم ورواج اور حال وقال کو کیسے نظر میں رکھیں گے؟ وہ بچے جو اوروں کے تہذیبی وتمدنی گہوارہ میں جھولے ہوں، ان کو یہاں کی طرز ومعاشرت کیسے بھلی معلوم ہوگی۔ مہدی میاں کی اٹھان ہی کچھ ایسی بے تکی ہو رہی تھی جس پر مَیں نے کئی بار آپ کو توجہ بھی دلائی اور آپ نے مجھے تنگ خیال، ناعاقبت اندیش اور کیا کچھ نہ جانا،

بہرحال جو نہ ہونا تھا وہ ہوچکا، اب اس خفگی سے کیا حاصل؟ مَیں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کی یہ طرز مہدی کی زندگی کو الجھادے گی، یوں بھی وہ آپ کے قابو سے نکل گئے، اور اب تو میم صاحبہ ان کو اور بھی لے اڑیں گی، نتیجہ ظاہر ہے کہ سال چھ مہینے بعد، نان نفقہ کا بندوبست کرکے پھر کسی "مہدی ثانی" کے ساتھ ہندوستان آنے کے لئے وہ یورپ کو روانہ ہو جائیں گی، ادہر مہدی اپنی زندگی کی تلخی کو محسوس کریں گے، ایسی حالت میں جو صورتیں رونما ہوں گی وہ ضرور آپ کو دکھ پہنچائیں گی، میری مخلصانہ رائے تو یہ ہے کہ ان کی بھول کو محض اس لئے نظر انداز کیجئے کہ یہ آپ کی غلطی تھی، اور حتی الامکان ان کو باور کرائیے کہ آپ ان سے ناخوش نہیں ہیں۔ بہو بیگم کو بھی نظر شفقت سے محروم نہ رکھئے، ورنہ ساری کوششیں رائگاں جانے کا احتمال ہے۔

میری اس تحریر کو طنز پر محمول نہ کیجئے، اور جو کچھ مَیں نے لکھا ہے غور کیجئے کہ وہ آپ کے لئے قابل عمل ہے یا نہیں۔ عافیت کا

مولوی صاحب!

میری کس تحریر اور کون سے جملے سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میں وجود باری کا منکر ہوں ـــــــ خلاقِ عالم کے وجود سے تو ابلیس کو بھی انکار نہ تھا، وہ ابلیس جس پر، آپ ہم رات دن، اٹھتے بیٹھتے ہزاروں بار لاحول بھیجتے ہیں، وہ بھی تو وحدانیت کا قائل تھا اور بڑا پکا موحد ـــــــ پھر میں کہ شرف یافتۂ انسانیت ہوں اولادِ آدم سے ہوں اور خود کو صاحبِ ایمان بھی مانتا ہوں، وجودِ خداوندی سے کیسے منکر رہوں گا۔ یہ اور چیز ہے کہ اپنے خالق کے وجود کا میں کسی اور طرح اقرار کرتا ہوں اور آپ کسی طرح دوسری طرح سے قایل ہیں الطرق الی اللہ بحسب انفاس الخلائق۔ ضمیر کو اپنے تابع رکھنے کے لئے خودی کو مٹانے اور خودسری کے مہلک نتائج سے بچنے کے واسطے یہ ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی ہے کہ ہر انسان یا تو وجودِ خداوندی پر ایمان لائے، یا اور کسی ماورائے فہم و ادراک اور بے مثل وجود کا دھیان کرے از آدم تا ایں دم، جملہ مذاہبِ عالم ایک ارفع و اعلیٰ وجود کی موجودگی پر صاد گئے اور کر رہے ہیں۔[1]

---

[1] ملاحظہ کیجئے۔ PRE-HISTORIC MAN باقی صفحہ ۱۰۰ پر ملاحظہ ہو۔

پھر اسلام نے اس خصوص میں جو عقلی دلائل و براہین پیش کئے ہیں ان کے مشاہدے اور مطالعے کے بعد بھی روگرداں ہونا، یقیناً خالص "کفر" اور انتہائی بدبختی ہوگی۔

میرے ان چند جملوں سے واضح ہوا ہوگا کہ خدا کے وجود کا میں کس طرح قایل ہوں، برخلاف اس کے آپ کا اقرار کچھ عجیب نوعیت کا ہے۔ آپ خدا سے ڈرتے ہیں، لرزتے اور کانپتے ہیں، ۔۔۔ درآں حالیکہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے، عقل و شعور محض اس لئے عطا کیا کہ اس کی نعمتوں سے متمتع ہو کر اس کا زیادہ سے زیادہ شکر بجا لائیں۔ دینی اور دنیاوی نعمتوں سے سرفراز کرنے، اور اپنی خلق سے محبت کا ثبوت دینے کے لئے اس کی شانِ کریمی بیقرار ہوتی ہے، مانگنے والوں کی دعا مستجاب ہونے کی بشارت دی گئی ہے[۵] مگر آپ حاضری دیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

آپ نے مجھے منکرِ وجودِ باری مانا۔ خیر، اور خود کو اقرار کرنے والوں میں شمار کیا، یہ بھی مناسب، اب آئیے، ایک مثال دوں ۔۔۔۔ فرض کیجئے کسی ضرورت سے آپ باہر نکلتے ہیں یا۔

بقیہ صد ۹۹ صفحہ ۱/۲۸ مصنفہ پروفیسر اسکاٹ ایلیٹ۔

BY PROF: SCOT ELLIOT

۵ ادعونی استجب لکم۔

راستہ میں ایک بڑا سانپ حائل ہوجاتا ہے، جس کو دیکھ کر آپ چلا اٹھتے ہیں کہ اللھم احفظنا خداوندا اس موذی سے مجھے محفوظ رکھ، نعوذ باللہ آپ گویا یہ چاہتے ہیں کہ عرشِ معلیٰ سے خدا نیچے آئے اور آپ کو اپنی حفاظت میں لے، تو یہ سمجھئے، یہ ایک طرح سے قدرت کا مذاق اڑانا ہوا۔ آپ کی جگہ اگر ایسا اتفاق کبھی مجھے پیش آئے تو یقیناً میں اپنی عقل سے سوال کروں گا۔ کہ ایسے موذی سے کس طرح محفوظ رہنا چاہئے۔ جواب ملے گا کہ قتلِ الموذی قبل الایذا، اب مارنے کا سوال آیا تو میرے ہاتھ لبیک کہیں گے کہ قدرت نے انھیں اسی لئے بنایا ہے، پاؤں ہاتھ کا ساتھ دیں گے جن کی مدد سے میں دوڑ کر جاؤں گا ہاتھ سے بڑا پتھر اٹھا کر لاؤں گا اور اس سانپ کو کچل دوں گا، ساتھ ہی خدائے قادر کا دوہرا شکریہ ادا کروں گا۔ ایک تو اس نے عقل، تمیز ہاتھ، پاؤں، اور آنکھ سے سرفراز کیا دوسرے اس طرح اس موذی کی ایذا رسانی سے مجھے محفوظ رکھا۔ اور میرا یہ شکریہ یقیناً قبولِ بارگاہ رب العزت ہوگا۔

اس مثال سے یہ وضاحت مقصود تھی کہ میں وجودِ خداوندی کا اس طرح قائل ہوں اس کی سرفرازیوں کو کام میں لاتا اور اس کی نعمتوں سے متمتع ہوتا ہوں اور محض اس لئے آپ کی نظروں میں منکر قرار پاتا ہوں اور آپ کا اقرار صرف اللھم احفظنا کی حد تک محدود رہتا ہے۔ ایمان کی پوچھئے تو میں اپنے ایمان کو زیادہ مکمل اور

اپنے ایقان کو آپ سے زیادہ مضبوط پاتا ہوں۔

یاد پڑتا ہے آپ نے کسی گزشتہ خط میں "استخارہ" سے متعلق کچھ تذکرہ کیا تھا، چوں کہ آج ایک ایسی گفتگو نکل ہی گئی تو سن لیجئے کہ اس خصوص میں، میں کتنا "بے ایمان" واقع ہوا ہوں۔

استخارہ کرنا، حقیقتاً اس ذاتِ رفیع و برتر سے صلاح یا مشورہ کرنا ہے، کیا میرے اس خیال سے آپ کو اتفاق نہیں۔ اچھا اب فرض کیجئے کہ کسی ضروری کام سے مجھے باہر جانا ہے، میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ "مولانا ذرا استخارہ تو فرمائیے کہ اس وقت میں باہر جاؤں یا نہیں؟ ——— فوراً آپ کا ہاتھ تسبیح پر گیا، کچھ دیر آپ نے آنکھیں بند کرلیں، اور ارشاد فرمادیا ——— جاؤ، استخارہ اچھا آیا ہے" یعنی میرے باہر نکلنے سے متعلق آپ نے خدا سے مشورہ فرمایا، اور اس کی اصلاح ہوئی کہ مجھے باہر جانا چاہئے ———
بس میں خوش خوش چلا، گھر سے باہر نکل کر ابھی صرف پچیس قدم ہی چلتا ہوں کہ ایک تیز رفتار موٹر سے ٹکرا کر سڑک پر گر پڑتا ہوں۔

اب آئیے غور کریں، ایسے حادثے کے بعد میرے ایمان میں کس قدر تزلزل نہ پیدا ہو جانا چاہئے۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ خدا (نعوذ باللہ) کس قدر بے انصاف اور کتنا بے رحم ہے، آپ کے توسط سے میں نے اس سے مشورہ کیا، بعد مشورہ آپ ہی نے کہا کہ "جاؤ استخارہ اچھا آیا ہے" اور محض اس مشورہ کی بنا پر جب میں باہر نکلا تو یہ افتاد پڑی

خدارا انبتلائیے کہ خدا کو بے انصاف کہنے میں، میں حق بجانب ہوں گا یا نہیں ـــــــ یہ سب سنکر آپ یہ نہ کہنا کہ اس قسم کی ٹکر آپ کی قسمت میں لکھی تھی ـــــــ اگر آپ نے یہ کہا تو پھر استخارہ کی رہی سہی عظمت بھی میرے دل سے محو ہو جائے گی۔ جب تقدیر کا لکھا پورا ہونا ہی ہے اور کوئی اس پر ایمان بھی رکھتا ہے تو اس کو ضرورت ہی کیا کہ ایسی الجھنوں میں پڑے، افسوس ہے آپ انگریزی نہیں جانتے ورنہ میں آپ کو۔ (DR. SMILE) کی کتاب SELF HELP کے مطالعے کی زحمت دیتا۔ بہر حال میری تحریر کردہ اس ایک مثال ہی سے اندازہ کیجئے کہ ہم کس طرح اور کس طریقے سے خدا کو بے انصاف، بے رحم اور بے پروا ثابت کرتے ہیں۔

میرے ایک شناسا ہیں جو اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں بھی "استخارہ لیتے" رہتے ہیں۔ ایک دفعہ انھیں بخار آگیا، بارش کے دن تھے اور نہایت سرد موسم، رات کے ابتدائی حصے میں انھیں آرام سے نیند آگئی اور کوئی ایک بجے اٹھ بیٹھے، لاکھ کوشش کی نیند نہ آئی، چنانچہ خیال ہوا کہ جگہ سے متعلق استخارہ لینا چاہئے تسبیح لے کر بیٹھ گئے اور گھر کا کونہ کونہ چھان ڈالا، بالآخر" وحی نازل ہوئی، کہ صحن میں بستر ہو۔ آدمی بڑے وضعدار اور دھن کے پکے واقع ہوتے ہیں ملازمین کو بلایا اور حکم دیا کہ ہمارا بستر صحن میں کردو۔

اب وہ تمام حیران کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کہیں سرکار کو ہجران کا مرض تو نہیں ہو گیا جو ایسے "برستے پانی میں" بستر کروا رہے ہیں" مجال نہ تھی جو، ہاں نہیں، کہتے، حکم حاکم تھا، غرض بستر صحن میں کر دیا گیا اور یہ اللہ کے پیارے بندے اس پر دراز ہو گئے ——— قدرت کی ظرافت ملاحظہ ہو کہ پانی برسنے لگا۔ بڑا اور خوب دھواں دھار برسا، گھر کے دوسرے لوگ مریض کو جبراً اندر کھینچ لائے، لباس تبدیل کرایا اور "گرمی پہنچانے کی کوشش کرنے لگے" خیر تھوڑی دیر بعد گرمی تو پہنچ گئی، مگر سردی اتنی کافی پہنچ چکی تھی کہ منٹوں میں بخار بڑھ گیا، اور یہ دماغی کمزوری کا شاہکار، ڈبل نمونیا کا شکار ہو گیا!

میرے ایک اور "دوست" ہیں، جو علاوہ توہم پرست ہونے کے استخارہ پرست بھی ہیں، کریلا یوں بھی کڑوا ہوتا ہے، اور جب اس کی بیل نیم کے درخت پر چڑھے تو پھر کیا کہنے! ایک اور صاحب ہیں جن سے مجھے ارادت بھی ہے اور عقیدت بھی۔ ان کی طرز استخارہ کے معاملہ میں کچھ عجیب ہے، فرض کیجئے کسی نے ان سے کچھ مانگا، اور وہ نہ دینا چاہتے ہوں تو فوراً استخارہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ "بھئی، میں مجبور ہوں" استخارہ بد آیا ہے۔

اس تحریر سے بخدا یہ نہ سمجھنا کہ میں استخارہ کو غیر اہم یا نامعتبر سمجھتا ہوں، ہرگز نہیں، میرے دل میں اس طریقے کی بڑی وقعت ہے خصوصاً جب اس کا استعمال برمحل ہو۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کے لئے

تسبیح پر ہاتھ ڈالنا، اور عقل و تمیز سے مدد نہ لینا، گویا قدرت کے اُس عطیہ عظیم سے منحرف ہونا ہے، استخارہ کرنا چاہئے مگر اس وقت جب کوئی ایسی ہی اہم افتاد پڑی ہو، عقل کام نہ کر سکے، اور کوئی نیک یا صائب رائے دینے والا موجود نہ ہو، خدا سے مشورہ ضرور ہونا چاہیے مگر کب، جب کہ کوئی ایسی ہی الجھن درپیش ہو جو بآسانی سلجھ نہ سکے سچ پوچھئے تو انسان کو اگر خود پر اعتماد ہو، اور طبیعت میں استقلال بھی، تو میں سمجھتا ہوں، ساری زندگی میں اس کو کبھی استخارہ کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

معاف کیجیے خط بہت طویل ہوگیا۔ خدا حافظ۔

مجی المکرم!

نوازش نامہ موجب امتنان ہوا، اگر یہ خیال نہ فرمایئے کہ میں خدمت گزاری سے گریز کر رہا ہوں، تو عرض کروں گا کہ جب سے سفینہ کی اشاعت بند ہوئی ہے، یہاں کی "علمی دنیا" سے کچھ تو خود میں دور ہو گیا ہوں، اور کچھ "زمانے کے حالات" نے دور کر رکھا ہے تاہم کوشش کروں گا کہ چند اچھے مضامین آپ کو فراہم ہو جائیں۔ لیکن مجھے مہلت ملنی چاہیے۔ اس تحریر کے ساتھ جناب محمود اختر کا ایک مضمون منسلک کر رہا ہوں جس کا عنوان ہے "عورت، عورت کی نظر میں" یہ انھوں نے عصمت کے لئے لکھا تھا، مگر اب

آپ کی نذر ہے، پسند آئے تو شریک اشاعت کر لیجئے۔

ہاں! اپنی زیر طبع تالیف کا نام جو آپ نے "عہد حاضر کی انشا پرداز خواتین" رکھنا تجویز کیا ہے، اس سے مجھے اختلاف ہے۔ اس بیسویں صدی میں ایسے گز بھر لانبے نام مذاقِ سلیم پر بار معلوم ہوتے ہیں، اس کے ماسوا، مندرجات کے لحاظ سے اس نام میں نہ کیفیت ہے نہ شعریت۔ حالانکہ عورت مجسم شراب ہے اور مکمل شعر عورت کی طرزِ انشا کے نمونے پیش کرنا گویا شراب سے خمار کو اس شعریت کے ساتھ علیحدہ کر دکھانا ہے کہ خمار بھی شراب نظر آئے میں تو "خمستان" یا خم کدہ، کی سفارش کروں گا یا پھر کوئی اور نام سوچئے۔

یہاں کی تعلیم یافتہ خواتین کے نام تو گنوائے جا سکتے ہیں۔ مگر پتے معلوم کرانا ذرا دشوار ہوگا۔ چند ایسے ہیں جن سے مجھے شرفِ نیاز حاصل ہے اور بعض سے صرف مراسلت ہے۔ ان ہر دو کا شمار ایک "جزو" میں ہوگا اور اس حد تک تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی قلمی اعانت پر ان کو آمادہ کروں گا ——— اب رہا "کل" کا سوال، تو اس کے لئے بھی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔

خواتین حیدر آباد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اول وہ جو صرف تعلیم یافتہ ہیں ——— دوم تعلیم و تہذیب یافتہ نقش اول کی بیشتر خواتین اب جدید تہذیب سے قدرے آشنا

ہوتی جارہی ہیں۔ "لکھنے اور لکھتے رہنے" والی جماعت میں سب سے نمایاں جناب صغرا بیگم حیا ہیں۔ جو کئی مفید کتابوں کی مصنف ہونے کے علاوہ ممالک اسلامیہ اور یورپ کے بعض تہذیبی مراکز کا دورہ بھی کر آئی ہیں۔ نقش دوم، بمصداق ــــــــ بہتر گشد ز اول ــــ خوب، بہت ہی خوب اور نہایت امید افزا ہے۔ جناب جہاں بانو بیگم (ایم۔ اے) پاشا بیگم صوفی (ایم۔ اے) نوشابہ خاتون قریشی (بی اے) لطیف النسار بیگم (ایم۔ اے) رقیہ بیگم ــــــــ نجم النسار بیگم (بی۔ اے) سعدیہ بیگم (بی اے) نعیم النسا بیگم (بی۔ اے) ــــــــ غرض یہ چند خواتین ہیں جن کو نقش دوم کے اہم خطوط، یا آسمان ادب کے روشن ترین ستارے اگر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان کے علاوہ جناب شہر بانو نقوی، رضیہ بیگم، رابعہ بیگم، میمونہ بیگم، اور اختر سلطانہ وغیرہ سے بھی ہمارا موجودہ ادبی ماحول رنگین بنتا جارہا ہے۔

جناب جہاں بانو بیگم کی تصنیف لطیف "رفتارِ خیال" اور جناب لطیف النسار بیگم کے "من کی بپتا" آج کی ڈاک سے (ذریعہ رجسٹری) روانہ خدمت کر رہا ہوں۔ رفتارِ خیال ادبی لطافتوں کا ایک لطیف ذخیرہ ہے اور من کی بپتا میں بھی کچھ ایسی کشش موجود ہے جو قلب کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خواتین دکن کے بعض اور کارنامے بھی انشاء اللہ جلد فراہم کر دوں گا۔ مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے ایک تذکرہ "خواتین عہدِ عثمانی" ترتیب دیا تھا، مجھے

یاد پڑتا ہے کہ وہ میں نے آپ کو بھجوایا بھی ہے، جو اگر موجود ہو تو اس سے بھی مدد لیجیے۔ خدا حافظ۔

عزیز گرامی!

یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ وہاں تمہارے حقوق اس طرح تلف کیے جا رہے ہیں، میں جانتا ہوں کہ تم محنتی، دیانت دار، اور فرض شناس ہو، یہی وجہ ہے جو تمہاری ترقی کی راہیں مسدود ہوتی جا رہی ہیں، عزیزی! یہاں اگر ترقی کرنا ہی چاہتے ہو تو ——— بے حیا باش و بادشاہی کن' کے مقولہ پر عمل پیرا ہو جاؤ، پھر نہ محنت کی ضرورت نہ دیانت کی۔ خوشامد اور صرف خوشامد ہی تمہیں ترقی کے زینہ پر پہنچا دے گی، ضمیر کی ملامت پر ہرگز کان نہ دھرو۔ فرض کو قرض سمجھ کر ٹالو، محنت اور دیانت کو ایک گناہ جانو اور صرف خوشامد سے سروکار رکھو، پھر دیکھنا کل تم کہاں ہو گے۔ زمانہ تمہارا ساتھ نہیں دیتا تو تم زمانے کا ساتھ دو۔ ترقی کرنے کا جو ڈھنگ میں نے بتلایا ہے۔ اس کو پڑھ کر شاید تمہیں حیرت ہو کہ یہ جملے اس شخص کی زبانِ قلم پر رواں ہیں جو خودداری میں بے مثل تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں کل تک، اپنی سوختہ سامانی کے باوجود، اس درجہ "آزادہ و خود بین" تھا کہ ———

الٹے پھر آیا درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

لیکن کیا کریں، دنیا میں اگر رہنا ہے، تو ناگوار چیزوں کو بھی بعض وقت گوارا کر لینا ہی پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں مرض خوشامد اب بہت عام ہو گیا ہے، جس کے جراثیم ہندوستان سے درآمد ہوئے ہیں، اور خوشامد پسندی ایک وبا کی طرح اس سرے سے اس سرے تک پھیل گئی ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو تمہاری محنت یا دیانت یہاں ترقی کی موجب نہیں بن سکتی، ہاں شاید جنت میں "حور و قصور" اگر دلوائے تو دلوائے۔

وہ رہرو نامراد ہوں میں، جو راہ میں تھک کے رہ گیا ہو
شکستہ پائی کا غم ہے دل میں، نگاہ ہے گردِ کارواں پر

"نمرود کی خدائی" میں سانس لے رہا ہوں، اور بغیر "بندگی" کے "بھلا" ہونے کی آس میں جی رہا ہوں۔

محبی!

نامۂ محبت باصرہ نواز ہوا، عرصہ کے بعد خیریت معلوم ہوئی۔ اپنا کیا حال سناؤں، اور کیا کہوں کیسے گذر رہی ہے ؎

جی رہا ہوں کہ موت آساں ہے
ورنہ جینے پہ اختیار کہاں؟

تم میری طبیعت سے واقف ہو، ماضی کا خیال کم کرتا ہوں لیکن جب حال کا یہ حال ہے تو کس بِرتے پر مستقبل کے استقبال کی

تیاری کروں؟ مرنا چونکہ آسان ہے، اس لئے جی رہا ہوں ——
نہیں، بلکہ جینے پر خود کو مجبور پاتا ہوں کہ فطرتاً میں نے مشکل پسند طبیعت پائی ہے۔ میری زندگی فطرت کا ایک لطیف طنز ہے، یا وہ "خندۂ مکروہ" جو شیطان کے لبوں پر اس وقت کھیل رہا تھا، جب آدم علیہ السلام جنت سے نکلے، تم جانتے ہو کہ پانی میں ڈوبنے والا ایک بار ابھر آتا ہی یا کوئی قریب المرگ بیمار ایک دفعہ سنبھالا لیتا ہے اور بجھنے والا چراغ تھوڑی دیر کے لئے بھڑک اٹھتا ہے —— بس میری زندگی کو اسی سے تشبیہ دو۔ سچ پوچھو تو اب اپنی زبوں حالی پر خود مجھے رحم آنے لگا ہے، "زمین کی پیٹھ کا بوجھ اور فلک کے دل کا غبار" بن چکا ہوں، زندگی کے چھبیس[26] ورق الٹ گئے، خدا نہ کرے جو کچھ اور باقی رہے ہوں اور جو ہوں گے بھی تو اتنے بوسیدہ کہ ہوا کا ایک ہلکا جھونکا ان کو کتاب زیست سے اڑا دے گا۔ جینے کی کوئی تمنا نہیں، ایک مرنے کی آرزو رہ گئی ہے، بس اسی لئے جی رہا ہوں، ہر سانس کو قضا کا پیغام سمجھتا ہوں مگر کبھی یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی ؎

زاں نمی ترسم کہ گردد، قعرِ دوزخ جائے من
وائے گر باشد ہمیں امروز من فردائے من

حسرت کا کلیات میرے پاس رہا نہیں۔ بات یہ ہے کہ اب خود میری زندگی سراپا یاس و حسرت کا کلیہ بن چکی ہے، ہر آہ ایک مکمل نوحہ اور ہر سانس ایک ایسی المیہ آواز جو پتھر کو بھی پگھلا دے، تمہاری فرمائش کی فوری تعمیل تو ممکن نہیں، ہاں اگر کسی شناسا کے یہاں کلیات مل جائے تو مستعار لے کر بھیج دوں گا۔

دورِ حاضر کے شعرائے اردو پر تحقیقی مضامین کا جو سلسلہ شروع کرنے کا قصد تم نے ظاہر کیا اس کو سن کر حیرت ہوئی۔ "ورڈس ورتھ" کی شاعری، یا "براؤننگ کی ساحری" ملٹن کی جادو بیانی یا بائرن کی قادر الکلامی، کیا ان میں سے کوئی شخصیت اور کوئی چیز تمہیں مرعوب نہ کر سکی؟ تعجب ہے ایسے قیمتی جواہرات کو چھوڑ کر تم نے سنگ ریزوں کو پرکھنے کا تہیہ کیا۔ جب دوسرے نوجوان "ادیب" تمہاری اس بدذوقی کو سنیں گے، خیال تو کرو تمہارا کس قدر مذاق نہ اڑایا جائے گا۔ ریسرچ کے لئے تم نے ہندوستانی شاعر یا نثار کو تاکا، اور وہ بھی غریب زبان اردو کے۔ یقیناً تمہاری نظرِ انتخاب نے تمہیں دھوکا دیا ہے، کم از کم بنگال کا جادو نگار ہی تمہارا موضوع بن جاتا، بہر حال اب کہ تم نے ایسا قصد کر لیا دعا کرتا ہوں خدا تمہیں اپنے ارادوں میں کامیاب کرے اور ملک کے دوسرے بدبخت نوجوانوں کو تمہاری تقلید کی توفیق عطا کرے

حسرتؔ کی زندگی سے متعلق جتنے معلومات ذہن میں محفوظ ہیں۔
ان کو تو سن لو، مزید حالات پھر فراہم کر دوں گا۔

حسرتؔ سے دوبارہ ملنے کی دل میں حسرت ہی رہ گئی، ایک بار مدراس میں اتفاقیہ یہ شرف نصیب ہوا تھا، صرف چند گھنٹے حاضری دیا اور ایک عجیب اثر لے کر اٹھا۔ جس خلوص اور محبت سے مخاطب رہے اس کی شیرینی آج تک تڑپاتی ہے۔ طبیعت میں بلا کی سادگی اور مزاج میں بیحد انکسار۔ "دل جلے" ہیں، اس لئے جو کچھ کہتے ہیں دل پر اثر کرتا ہے۔ استقلال اور ایثار کا ایسا بے مثل نمونہ شاید ہی قدرت پھر پیدا کرے۔ مولانا محمد علی مرحوم کے بعد ایسے اعلیٰ صفات کا انسان ایک حسرتؔ رہ گیا ہے، بوڑھا جسم لیکن جوان حوصلے، رگوں میں خون نہیں مگر بلند ارادے۔

حسرتؔ کا پورا نام فضل الحسن ہے اور یہ سادات نیشاپور سے ہیں، اجداد نے ترک وطن کیا اور موہان میں سکونت اختیار کر لی۔ حسرتؔ وہیں پیدا ہوئے اور سن ولادت شاید ۱۲۹۶ھ ہے، ابتدائی تعلیم موہان میں ہوئی۔ پھر فتحپور کے کسی ہائی سکول سے انٹرنس پاس کیا ۱۹۰۳ء میں مدرستہ العلوم علیگڈہ سے بی۔ اے کی سند لی سنہ ۱۹۰۴ء میں یعنی صرف ایک سال بعد کرسی ادارت پر نظر آئے جبکہ ایک بہترین ادبی اور سیاسی رسالہ "بنام اردوئے معلیٰ" جاری کیا اور ہندی صحافت میں یادگار چھوڑے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارۂ اشاعتِ اسلامیات

حیدرآباد دکن

مسلمانوں میں عام طور پر اور تعلیم یافتہ حضرات میں خاص طور پر اپنے مذہب کی طرف سے بے اعتنائی اور لاپرواہی بڑھتی جارہی ہے۔ جس کی اصل وجوہات باطل قوتوں کا سیاسی اور تمدنی غلبہ، اُن کے نظام اور اُن کے علوم کی بے پناہ اشاعت ہے۔ لہٰذا اس کے مقابلہ میں دین اسلام اور مسلمانوں کی مدافعت کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی علوم کی بھی بکثرت نشر و اشاعت کی جائے۔ چنانچہ ادارہ اشاعت اسلامیات اسی غرض سے قائم کیا گیا ہے۔

جدید تعلیم یافتہ حضرات کے دلوں میں مذہب اسلام کی طرف سے جو شکوک اور اعتراضات پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ در اصل اسلامی تعلیمات سے انکی ناواقفیت اور لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ اگر اسلامی علوم کو مختصر اور آسان اردو میں علوم جدیدہ کی روشنی میں پیش کیا جائے تو وہ اسلام کے سچے شیدائی اور پرستار بن سکتے ہیں۔

مجلسِ مشاورت کا قیام ادارہ کے سامنے ایک اہم اور مشکل کام یہ تھا کہ ایسی کتب کا انتخاب کیا جائے جو مذکورہ مقاصد کے مطابق اور معیاری ہوں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ایک مجلسِ مشاورت ترتیب دیگئی جس کی رکنیت کو اکابر علماء نے قبول فرماکر فی الوقت پانچ کتب کو منتخب فرمایا جن کو ادارہ ہذا اپنے سرمایہ سے طبع کرا کے شائع کر رہا ہے:۔

فہرست مطبوعات ادارۂ اشاعت اسلامیات حیدرآباد دکن

قرآن اور سیرت سازی
(از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

نزولِ قرآن کی اصل غایت انسانی سیرت کی تعمیر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو سکے گا کہ اپنے فطری نفسیاتی اصولوں کے تحت قرآن کی روشنی میں آپ کس طرح اپنے کردار کی تعمیر کرکے ایک سچے مردِ مومن بن سکتے ہیں۔

صفحات ۲۷۵ قیمت ہے کلدار

اسلامی تقاریب
(مؤلفہ مولوی غلام دستگیر صاحب رشید پروفیسر نظام کالج حیدرآباد)
(صفحات ۳۲۱ قیمت ہے کلدار)

یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جسمیں ہندوستان کے تمام ممتاز اہلِ قلم حضرات (مثلاً ابوالکلام آزاد۔ عبدالماجد دریابادی۔ علامہ اقبال۔ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب وغیرہ) کے مضامین جو اسلامی عیدوں اور تقریبوں پر ہیں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ سال بھر کی عیدوں اور تہواروں کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کو منانے کے صحیح طریقے بتلائے گئے ہیں۔ ان مضامین کے مطالعہ سے اسلام کے زبردست سیاسی۔ اخلاقی۔ تمدنی اور معاشرتی نظاموں کی حقیقت واضح ہو کہ اسلام کی صداقت اور حقانیت ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

(از شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ۔ صفحات ۲۱۸ قیمت عا کلدار)

البلاغ المبین
اس کتاب میں شاہ صاحب نے ان رسومات اور بدعتوں کی قرآن اور حدیث کی روشنی میں تردید فرمائی ہے جن کو عامۃ المسلمین ارکانِ اسلام سمجھکر انجام دیتے ہیں تا وقتیکہ آپ اپنے اسلام اور ایمان کو شرک بدعت اور رسومات سے پاک نہ کرلیں راہِ مستقیم اور نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ شاہ صاحب کا طرزِ بیان تاریخی دلچسپ

اور استدلال قوی ہے۔

رہنمائے قرآن (مؤلفۂ سر نظامت جنگ بہادر۔ ترجمہ جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفۂ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

یہ کتاب (An approach to study of Quran) کا اردو ترجمہ ہے جو خصوصاً انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی نفسیات اور مشکلات کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے اور بڑے حکیمانہ اور فلسفیانہ طریقہ پر ان کے دل و دماغ کو اپیل کرتی ہے اور موجودہ خیالات کے تحت قرآن فہمی کی راہ میں جو مشکلات پیدا ہوگئی ہیں اُن کو حل کرتی ہے (صفحات ۹۶ قیمت عہ کلدار)

تعلیم قرآن (از مولوی غلام دستگیر صاحب رشید پروفیسر نظام کالج۔ و۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) (صفحات ۸۰ قیمت ۱۲ کلدار)

یہ کتاب از سورۂ فاتحہ تا والضحیٰ کی سورتوں کے لفظی و بامحاورہ ترجموں اور مختصر تفسیر پر مشتمل ہے جس کے متعلق جناب مناظر احسن صاحب گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ "تشریحی اشارے بھی الحمد للہ مفید اور قرآن فہمی سے مناسبت پیدا کرنے کیلئے کافی ہیں"۔ انداز بیان دلکش سہل اور جدید ذوق کے مناسب ہے۔ یہی سورتیں اکثر نمازیں پڑھی اور سُنی جاتی ہیں اس لئے ان کے ترجمہ اور تفسیر سے واقفیت نماز میں یکسوئی کا باعث ہوگی۔

فہرست مطبوعات ادارۂ نشریات اُردو حیدرآباد دکن

(یہ ادارہ ادارۂ اشاعت اسلامیات کی تجارتی وادبی شاخ ہے)

رموز اقبال (از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) (صفحات ۱۸۰ قیمت ۶ کلدار)

ڈاکٹر صاحب موصوف بھی ڈاکٹر اقبال ہی کی طرح ایسے فیلسوف ہیں جن کو مشرقی

اور مغربی دونوں فلسفوں پر عبور حاصل ہے۔ اقبال کے پیغام کے رموز اور اسرار کو اس کتاب میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے۔

جنگِ مشرق و خاتمۂ جاپان

از مولوی محمد اسحاق صاحب بی۔ ایس سی۔ ڈپ۔ ایڈ۔ (عثمانیہ) و میر تبسم مولوی فاضل (پنجاب)

یہ کتاب چین۔ جاپان۔ جزائر شرق الہند اور بحرالکاہل کے جغرافیائی، تاریخی، سیاسی اور جنگی حالات کا مجموعہ اور جاپان کے عروج و زوال کی عبرتناک کہانی ہے۔ اور امریکہ برطانیہ و روس کی مشرق بعید میں سیاسی پالیسی کا آئینہ ہے۔

صفحات (۲۱۰) قیمت ۱؍۶ کلدار

روحِ حیات

(از جناب اختر قریشی صاحب سابق مدیر سفینہ)

(صفحات ۱۱۲ قیمت ۱۲ آ کلدار)

یہ اختر صاحب کے مکاتیب کے مجموعہ کا تیسرا ایڈیشن مزید کمی و بیشی کے ساتھ اور زیادہ دلچسپ بنا دیا گیا ہے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے اسکے متعلق فرمایا ہے کہ "ایک باغی انسان کی فکری بغاوت نے جو روحِ حیات کے نام سے موسوم تھی میری روح کو گرما دیا۔ کاش ہر مسلمان نوجوان ایسا ہی باغی بن جائے جو زندگی اور دنیا کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں دیکھے اور دکھائے۔"

مجموعۂ نشری تقاریر

(از مولوی عبدالرحمن خاں صاحب سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔) صفحات ۱۵۴۔ قیمت ۱۲ آ کلدار

یہ کتاب مولوی صاحب موصوف کی ۱۵ علمی و سائنٹفک تقاریر کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً نشرگاہ حیدرآباد سے نشر کی گئی ہیں۔

پتہ: محمد اسحاق معتمد ادارۂ اشاعت اسلامیات و نشریات اردو حیدرآباد دکن